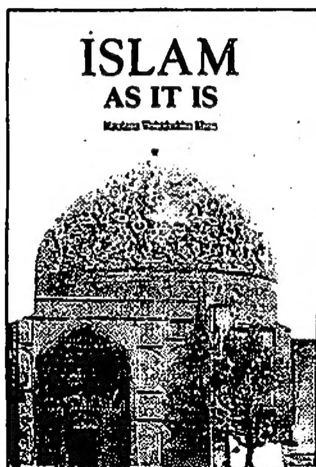
الرسالہ

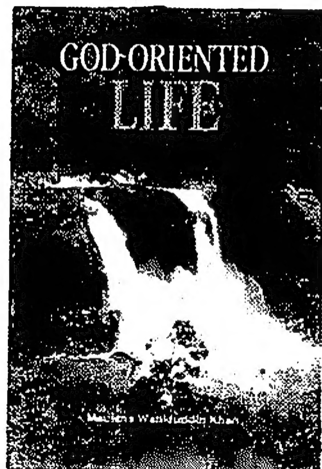
زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

حقیقت اپنے آپ کو منوا کر رہتی ہے
حقیقت کو اگر آپ عزت کے ساتھ نہ مانیں
تو آپ کو اسے ذلت کے ساتھ ماننا پڑے گا

فروری ۱۹۹۳ شمارہ ۱۹۵

Rs. 6





ISLAM AS IT IS

By Maulana Wahiduddin Khan

Pages 114 Rs. 40

In *Islam As It Is,* Maulana Wahiduddin Khan presents the fundamental teachings of Islam in a manner which will appeal directly to both general readers and students of Islam.

Simple and straightforward in style, *Islam As It Is* gives the reader an accurate and comprehensive picture of Islam — the true religion of submission to God.

GOD-ORIENTED LIFE

By Maulana Wahiduddin Khan

Pages 186 Rs. 60

The traditions – Sunnah – of the Prophet Muhammad, upon whom be peace, and the lives of his companions and those closely associated with them, serve as a major source of religious enlightenment in theory and in practice. This book endeavours to present these ideas in the simplest and most direct way. In that it culls from authentic sources the sayings and deeds of the Prophet and those inspired by him, it brings to us a complete and, above all, human picture of true Islamic behaviour.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

فروری ۱۹۹۲ ، شمارہ ۱۹۵

AL-RISALA (Urdu) Monthly
1, Nizamuddin West Market, New Delhi - 110 013
Telephone : 697333, 611128
Fax : 91-11-3312601 (Attn : Tel. 697333)

روزہ کا فائدہ

جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو شیاطین کو باندھ دیا جاتا ہے اور خدا کی رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں (سُلسِلَتِ الشیاطین و فُتحت ابوابُ الرحمۃ) شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب امتوں میں سے کوئی امت روزہ کا التزام کرتی ہے تو اس کے شیطانوں کو بیڑیوں میں باندھ دیا جاتا ہے اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آگ کے دروازے اس کے اوپر بند کر دیے جاتے ہیں (واذا التزمتہ امۃ من الامم سُلسلت شیاطینھا وفتحت ابواب جنانھا وغلقت ابواب النیران عنھا) حجۃ اللہ البالغہ

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانوں میں بھی ہوتے ہیں اور جنات میں بھی (الانعام ۱۱۲) حدیث کے مطابق، روزہ ان دونوں ہی قسم کے شیطانوں سے نجات دینے والا ہے۔ جو قوم حقیقی طور پر روزہ کے اوپر قائم ہو جائے وہ ان دونوں ہی قسم کے شیطانوں سے محفوظ ہو جائے گی۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قسم کے شیاطین کے لیے انسان کے اوپر قابو پانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ خود انسان کا اپنا نفس ہے، شیاطینِ جن لوگوں کے نفس کو خواہشوں کے فریب میں مبتلا کر کے ان کے اوپر قابو پاتے ہیں اور پھر جدھر چاہتے ہیں ان کو ادھر لے جاتے ہیں۔

شیاطینِ انس کے لیے بھی انسان کے اوپر قابو پانے کا راستہ یہی ہے، وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے انسان کا نفس بھڑک اٹھے۔ اور جب انسان کا نفس بھڑک اٹھتا ہے تو وہ اپنی عقل کھو دیتا ہے۔ اور پھر شیاطینِ انس کو موقع مل جاتا ہے کہ جس طرح چاہیں اس کو استعمال کریں۔

روزہ آدمی کے نفس کو زیر کرتا ہے۔ وہ آدمی کے حیوانی جذبات کو گھٹاتا ہے اور اس کے ملکوتی جذبات کو ابھارتا ہے۔ اس طرح آدمی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ نفسیاتی خواہشوں کا شکار نہ ہو۔ وہ اشتعال انگیز باتوں پر بھڑک کر قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ اس طرح روزہ شیاطینِ جن اور شیاطینِ انس دونوں کو گویا اس طرح زنجیروں میں باندھ دیتا ہے کہ وہ انسان کے اوپر اپنا اثر ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

خیل نہیں خیر

زید بن مُھَلہِل نجد میں بعثت نبوی سے پہلے پیدا ہوئے۔ وہ شاعر تھے۔ اسی کے ساتھ
انھوں نے شمشیر زنی اور گھوڑے کی سواری میں شہرت حاصل کی۔ چنانچہ وہ زید الخیل کہے جانے
لگے۔ خیل عربی زبان میں گھوڑے نیز گھوڑے سوار کو کہتے ہیں۔

انھوں نے اسلام سے پہلے فارس (شہ سوار) اور شمشیر زنی کی تعریف پر ایک پر جوش نظم کہی تھی۔
اس میں وہ اپنے قبیلہ کے بارہ میں کہتے ہیں کہ میری قوم لوگوں کی سردار ہے۔ اور سردار ہی اس وقت
مُد بنتا ہے جب کہ شعلہ بار ہتھیلیوں نے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا ہو :

وقومي رُؤوسُ الناسِ والرأسُ قائدٌ إذا الحربُ شبَّتْها الأكفُّ المساعرُ

زید الخیل ہجرت کے بعد مدینہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام قبول کر لیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیل کا نام پسند نہیں کیا۔ آپ نے ان کا نام بدل کر زید الخیر رکھ
دیا۔ ۹ھ میں مدینہ میں ان کا انتقال ہوا۔

اس واقعہ سے اسلام کا مزاج معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کا مقصد آدمی کو " زید شہ سوار"
بنانا نہیں ہے بلکہ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ آدمی " زید صاحب خیر" بنے۔ قدیم عرب میں گھوڑا دوڑانا
اور تلوار کا کمال دکھانا ہیروانہ کام سمجھا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام نے ان کے جذبات کو موڑا۔ اور ان
کو یہ ذہن دیا کہ وہ خیر کے حامل بنیں، وہ خیر کے میدان میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیں۔
وہ لوگوں کو موت کا تحفہ نہ دیں بلکہ وہ لوگوں کو زندگی کا تحفہ دینے کی کوشش کریں۔

آجکل کی زبان میں اگر کہا جائے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام کا مقصد تخلیقی (creative)
انسان پیدا کرنا ہے۔ اللہ پر ایمان آدمی کے اندر تخلیقی اوصاف کو جگا دیتا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے
ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔ اس کی سوچ عام سوچ سے اوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس کا کردار
دوسرے لوگوں کے کردار سے بلند ہو جاتا ہے۔ وہ زمین میں رہتے ہوئے ایک آسمانی انسان
بن جاتا ہے۔

مومن کا کام زید الخیل بننا نہیں بلکہ زید الخیر بننا ہے۔ یہی مومنانہ شخصیت کا خلاصہ ہے۔

الرسالہ فروری ۱۹۹۳

ایک میدان

ونگ کمانڈر محمد یوسف خان (پیدائش ۱۹۴۴) پروفیشن کے اعتبار سے پائلٹ ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ انھیں صحافت کا ذوق بھی ہے۔ اور وہ انگریزی اخبارات میں لکھتے رہتے ہیں۔ ان کے انگریزی مضامین یہاں کے قومی روزناموں میں چھپتے رہے ہیں۔ ۲ دسمبر ۱۹۹۲ کو دہلی میں ان سے ملاقات ہوئی۔ کئی سبق آموز واقعات ان کی زبانی معلوم ہوئے۔

آج کل وہ انڈین مٹل کمپنی (Indian Metal & Ferro Alloys Ltd.) میں سینیر پائلٹ ہیں۔ اس کمپنی کا ہیڈ آفس بھوبنیشور (اڑیسہ) میں ہے۔ حال میں ان کا ایک مضمون ہندستان ٹائمس (۱۸ اکتوبر ۱۹۹۲) میں چھپا۔ یہ مضمون بچوں کی تعلیم کے بارہ میں تھا اور اس کا عنوان یہ تھا کہ کیا آپ انھیں ٹیچروں پر چھوڑ دیں گے:

Can you leave them to the teachers?

ایک اور مضمون دہلی کے پائنیر (۴ اکتوبر ۱۹۹۲) میں چھپا۔ یہ ٹورزم (سیاحت) کے بارہ میں تھا۔ اس کا عنوان یہ تھا: ایک ہفتہ اڑیسہ میں (A week in Orissa)

کمپنی والوں کے علم میں یہ مضامین آئے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ کمپنی کے ذمہ داروں نے ان مضامین کو اپنے دفتر کے نوٹس بورڈ پر آویزاں کیا۔ اور ان کی فوٹو کاپی کرکے انھیں اپنی مختلف شاخوں کے نام روانہ کیا۔ ان مضامین کی اشاعت کے بعد کمپنی کے حلقوں میں یوسف خان صاحب کی عزت و وقعت بڑھ گئی۔ کمپنی میں ہیومن ریسورس ڈولپمنٹ کے جنرل مینجر مسٹر پاشینے نے کہا کہ ہم کو فخر ہے کہ آپ اخبارات میں لکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے تمام کارکن یہ جانیں کہ ہمارے یہاں اس صلاحیت کا ایک شخص ہے جو قومی روزناموں میں لکھتا ہے:

We are proud that you write for the news papers. We would like all our employees to know that we have a person of this calibre who writes for the national dailies. (Mr Pashine, General Manager, Human Resource Development)

اگر آپ لوگوں کے درمیان عزت چاہتے ہیں تو لوگوں کے کام آئیے، حتی کہ ان کے لیے فخر بن جائیے۔

سبب کیا ہے

بارسلونا (اسپین) میں جولائی۔ اگست ۱۹۹۲ کے درمیان اولمپکس کے مقابلے ہوئے۔ اس میں ۱۷۱ ملکوں نے حصہ لیا۔ ان میں سے ۶۴ ملکوں نے مختلف کھیلوں میں اعلیٰ کارکردگی دکھا کر تمغے حاصل کیے۔

ہندستان جو ۸۶ کرور افراد کا ملک ہے وہ ایک بھی تمغہ حاصل نہ کر سکا۔ نہ گولڈ میں نہ سلور میں نہ برانز میں۔ حتیٰ کہ تیر اندازی جو بھارت کی روایات میں شامل ہے اس میں بھی دوسرے ملکوں کے لوگ آگے نکل گئے۔ ۶۴ جیتنے والے ملکوں کی فہرست میں ابتدائی دس ملکوں کے نام بالترتیب یہ ہیں ——— سی آئی ایس، امریکہ، جرمنی، چین، اسپین، ہنگری، ساؤتھ کوریا، کیوبا، فرانس، آسٹریلیا۔

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں ہے۔ جو لوگ بیرونی دنیا کا سفر کرتے ہیں یا جن کی عالمی حالات پر نظر ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بین اقوامی سطح پر آج ہندستان کی کوئی اہمیت نہیں۔ مثلاً بڑے صنعتی ممالک کی فہرست میں ہندستان کا نام آخری سطروں میں بھی نہیں ملتا۔ جدید سائنسی ریسرچ میں ہندستان سرے سے قابل تذکرہ نہیں سمجھا جاتا۔ ہندستان کے تعلیمی ادارے اپنے معیار کے اعتبار سے سب سے کمتر ادارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وغیرہ۔

اس پچھڑے پن کا سبب کیا ہے۔ اس کا سبب وہی ہے جس کی طرف ایک مبصر نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ——— لوگوں کے دماغ ناقابل لحاظ چیزوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ وہ وقت کے اصل قابل لحاظ مسائل کی طرف متوجہ نہیں :

Men's minds are lost in trivialities, and not attune to the challenging issues of the time.

خواہ فرد کا معاملہ ہو یا قوم کا معاملہ، اس دنیا میں اعلیٰ ترقی کا صرف ایک ہی راز ہے۔ اور وہ یہ کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کیا جائے، اور صرف ان باتوں پر سارا دھیان لگایا جائے جو مستقبل کو بنانے یا بگاڑنے میں حقیقی طور پر موثر ہوتی ہیں۔ ہندستان کے لوگ اس فرق کو نہیں جانتے، اسی لیے نصف صدی کے ہنگاموں کے باوجود وہ کوئی قابل ذکر ترقی نہ کر سکے۔

غصہ کا انجام

دہلی میں قرول باغ کے علاقہ میں اجمل خاں روڈ ہے۔ یہاں ایک ساتھ جوتے کی دا دکانیں تھیں۔ ایک دکان کے مالک کا نام سریندر رکمار (۲۵ سال) ہے اور دوسری دکان کے مالک کا نام بلراج اروڑا (۴۵ سال)۔ ایک ہفتہ پہلے سریندر رکمار کی دکان سے ایک شخص نے ایک جوڑا جوتا خریدا۔ دکاندار نے اس کی قیمت ۱۸۰ روپے حاصل کی۔ گاہک باہر نکلا تو دوسرے دکاندار بلراج اروڑا نے اس کو آواز دے کر بلایا۔ اس کا جوتا دیکھ کر پوچھا کہ اس کو تم نے کتنی قیمت میں خریدا۔ اس نے بتایا کہ ۱۸۰ روپے میں۔ بلراج اروڑا نے اسی قسم کا جوتا اپنی دکان سے نکال کر دکھایا اور کہا کہ دیکھو، یہ وہی جوتا ہے اور یہ میں تم کو صرف ۱۲۵ روپے میں دے سکتا ہوں (دی پایونیر ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲)

گاہک غصہ ہو گیا۔ وہ جوتا لے کر دوبارہ سریندر رکمار کے یہاں آیا اور کہا کہ تم نے قیمت زیادہ لی ہے۔ مجھ کو ۵۴ روپے واپس کرو۔ اس پر سریندر رکمار بگڑ گیا۔ اور پڑوس کی دکان پر جا کر بلراج اروڑا کو ڈانٹنے لگا۔ کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر فوری طور پر دونوں کو اپنی اپنی دکان میں واپس بھیج دیا۔ مگر غصہ بدستور باقی رہا۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ بعد ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۲ کو سریندر رکمار نے بلراج اروڑا سے تیز تیز باتیں کیں، اور آخر کار جیب سے ریوالور (.32 bore Smith and Wesson) نکالا اور ایک کے بعد ایک چھ گولیاں اس کے اوپر خالی کر دیں۔ بلراج اروڑا کو فوراً لوہیا اسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے اس کو مردہ قرار دیا۔

اب قاتل کا معاملہ عدالت میں ہے۔ اب یا تو مقتول کی طرح قاتل کو بھی پھانسی پر لٹکایا جائے گا یا قاتل لاکھوں روپیہ خرچ کر کے مقدمہ کو اپنے موافق بنائے اور عدالت سے رہائی کا فیصلہ حاصل کر لے۔ ایک صورت اگر قاتل کے لیے جسمانی موت ہے تو دوسری صورت اس کے لیے مالی موت۔

قاتل اگر غصہ اور انتقام سے مغلوب نہ ہوتا تو بہت آسانی کے ساتھ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے لیے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ وہ مذکورہ گاہک کو ۵۴ روپیہ ادا کر کے اسے رخصت کر دے اور پھر جہاں تک پڑوسی دکاندار کا مسئلہ ہے، اس کو تجارتی انداز میں حل کرنے کی کوشش کرے۔

اعتراض برائے اعتراض

۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو غالب اکیڈمی (نئی دہلی) میں ایک سیموزیم تھا۔ اس کا موضوع تھا: مذہب فرقہ پرستی کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس موقع پر راقم الحروف نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ خود خدا کی تخلیقی اسکیم کے تحت اس دنیا میں آزادانہ مسابقت جاری ہے۔ اسی مسابقت کی بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ بار بار ایک اور دوسرے کے درمیان اختلاف اور ٹکراؤ کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ عین فطری ہے اور وہ ہمیشہ اس دنیا میں باقی رہے گی۔ ایسی حالت میں پُرامن زندگی گزارنے کی تدبیر صرف ایک ہے، اور وہ اعراض ہے۔ یعنی زندگی کی سرگرمیوں میں جب بھی ایسا ہو کہ ایک اور دوسرے کے درمیان ٹکراؤ کا اندیشہ پیدا ہو تو وہاں اعراض کے اصول پر عمل کیا جائے۔ اس طرح عملی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئے گی اور ہر ایک کے لیے محفوظ طور پر اپنی زندگی کی تعمیر ممکن ہو جائیگی۔

اس سلسلہ میں میں نے کہا کہ آپ نے سڑکوں پر دیکھا ہو گا کہ جگہ جگہ اس مضمون کا بورڈ لگا رہتا ہے کہ فاصلہ پر رہو (keep distance) اس ٹرافک اصول کو اختیار کرنے کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ سڑک پر بیک وقت بہت سی سواریاں دوڑیں، پھر بھی ان کے درمیان حادثہ کے واقعات پیش نہ آئیں۔ اسی اصول کو ہمیں عام زندگی میں بھی اختیار کرنا ہے۔

تقریر کے خاتمہ پر سوال و جواب کا وقفہ تھا۔ ایک تعلیم یافتہ مسلمان کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے "فاصلہ پر رہو" کے جس اصول کی تلقین کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں الگ الگ خانوں میں بٹ جائیں اور ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر زندگی گزاریں۔ ایسا کرنے کے بعد تو ہندستان میں ہمارے مسائل اور زیادہ بڑھ جائیں گے۔

میں نے کہا کہ "فاصلہ پر رہو" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ الگ الگ زندگی گزارو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نزاع کی صورت پیش آنے پر ٹکراؤ سے بچو۔ سڑک پر اس مضمون کے بورڈ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ لوگ اپنی گاڑیاں گھروں پر کھڑی رکھیں، وہ ان کو سڑک پہ نہ چلائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ چلتے ہوئے جب کبھی ٹکراؤ کا اندیشہ ہو تو اپنی گاڑی کنارے کر لیں۔ اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ آدمی اگر سنجیدہ نہ ہو تو وہ سیدھی بات کا بھی الٹا مطلب نکال سکتا ہے۔

ایک مثال

مالیگاؤں کے فساد کے بارے میں دہلی کے ایک اردو ماہنامہ (افکار ملی ستمبر ۱۹۹۲) میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس کا خلاصہ خود اسی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے :

"مالیگاؤں میں ۱۹ جولائی ۱۹۹۲ کو فرقہ وارانہ فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس فساد میں تین کروڑ روپے کی مالیت لوٹ گئی یا اسے جلادیا گیا۔ تین مسلمان جاں بحق ہو گئے۔ ۱۲۵ سے زائد افراد زخمی ہو کر اسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ کاروبار بند ہونے کی باعث یہاں کی آبادیاں، جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، مایوسی اور افسردگی کی شکار نظر آتی ہیں۔ مزدور طبقہ بھوک مری کے اندیشہ میں مبتلا ہے اور تاجر پیشہ افراد اقتصادی مشکلوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

۱۹ جولائی کو بابری مسجد کے مسئلہ پر اپنے غم و غصہ کے اظہار کے لیے مسلمانوں نے اپنے کاروبار اور دکانیں بند کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ "بابری مسجد بچاؤ" تحریک کے ضمن میں مقامی جنتادل کے ایم ایل اے جناب نہال احمد نے مسجد کے تحفظ کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل دینے کے بعد ۱۸ جولائی کی شب میں قدوائی روڈ پر ایک جلسۂ عام منعقد کیا اور ۱۹ جولائی کو مالیگاؤں بند رکھنے کے اعلان کے ساتھ احتجاجی جلوس کے اہتمام کا اعلان بھی کر دیا۔ عام طور پر مسلمانوں میں اس تجویز کا پُر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔ شہر میں موجودہ فرقہ وارانہ کشیدگی کا نقطۂ آغاز یہی تھا۔

دوسرے دن ۲۵ ۔ ۳۰ ہزار افراد پر مشتمل ایک مورچہ (احتجاجی جلوس) جناب نہال احمد کی قیادت میں قلعہ کے پاس سے نکلا۔ مگر یہ مورچہ موسم پل تک بھی نہیں پہنچا ہو گا کہ انتشار و اشتعال کا شکار ہو گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک غیر مسلم فوٹو گرافر نے مورچہ میں شامل چند مسلمانوں کے منع کرنے کے باوجود تصویریں کھینچنے کا کام بند نہیں کیا تو اس سے کیمرہ چھیننے کی کوشش کی گئی۔ اس چھینا جھپٹی کے دوران پولس کے آدمی وہاں پہنچ کر معاملہ کو رفع دفع کر رہے تھے کہ جلوس کے کچھ افراد نے سنگ باری شروع کر دی اور پھر وہیں سے عمل اور رد عمل کا ہولناک سلسلہ شروع ہو گیا"

برداشت والے لوگ اگر جلوس نکالیں تو اس کا نام مظاہرہ ہے۔ اور بے برداشت لوگ اگر جلوس نکالیں تو اس کا نام فساد۔

دردناک انجام

ہندستان ٹائمس (۲۰ نومبر ۱۹۹۲) میں ایک دردناک واقعہ چھپا ہے۔ اس کی سرخی رپورٹر نے ان الفاظ میں قائم کی ہے ——— فتح کے بعد ٹریجڈی :

Tragedy after the triumph

یہ لفٹننٹ سندیپ لمبا کا قصہ ہے۔ وہ ۲ ستمبر ۱۹۶۵ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی کے خالصہ کالج میں حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی یونی ورسٹی سے بی ایس سی کی ڈگری لی۔ اپنی "اسپرٹ آف ایڈونچر" کے تحت وہ ڈیفنس سروس میں بھرتی ہو گئے۔ ایڈونچر والے کھیلوں (adventure sports) میں انھوں نے امتیاز حاصل کیا، وہ ترقی کرتے ہوئے لفٹننٹ کے عہدہ پر پہنچ گئے۔

نومبر ۱۹۹۲ میں وہ اپنی ترقی کی انتہا پر تھے۔ انھیں پہاڑوں کی چڑھائی (mountaineering) کا شوق تھا۔ ایک فوجی ٹیم لے کر انھوں نے ۱۸ اگست ۱۹۹۲ کو گڑھوال کی ایک چوٹی (Abi Gamin Peak) پر چڑھائی شروع کی۔ یہ چوٹی ۷۲۱۰ میٹر اونچی ہے۔ لفٹننٹ لمبا چڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی آخری اونچائی پر پہنچ گئے۔ رپورٹر کے الفاظ میں، ان کے خاتمہ کا وقت خود چوٹی پر آگیا جب کہ وہ اس کے اوپر فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ عین اس وقت برف کا ایک ریلا آیا اور وہ ہزاروں فٹ نیچے موت کے گڑھے میں گر گئے :

> His end came at the summit itself, soon after he had stood there with a triumphant smile. The snow pack on the summit gave way and he fell to his death thousands of feet down below. (p.12)

یہ کسی ایک آدمی کا قصہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر آدمی کی کہانی لفٹننٹ لمبا کی کہانی ہے۔ یہاں ہر آدمی اپنے دائرہ میں زندگی کا سفر شروع کرتا ہے۔ وہ محنت کرتے کرتے اپنی ترقی کی آخری حد پر پہنچ جاتا ہے۔ عین اس وقت موت کا فرشتہ آتا ہے اور اس کو بڑائی کی چوٹی سے اٹھا کر پستی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ اس الم ناک انجام (tragic end) سے مستثنیٰ صرف وہ شخص ہے جو خدا کا تابعدار ہو۔ جو ربانی زندگی گزارتا ہوا اپنے آخری انجام تک پہنچے۔

فساد کا مسئلہ

جناب ایم۔ ساجد صاحب (دہلی) سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میں الرسالہ پابندی کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ مجھے آپ کی سب باتوں سے اتفاق ہے۔ مگر ایک بات ایسی ہے جس سے میں اتفاق نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کا ذمہ دار آپ مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ مسلمان فساد کرتے ہیں۔ ہم کیوں کر اس کو مان لیں۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔

میں نے کہا کہ آپ نے میری بات کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمان پر فساد کرنے کی ذمہ داری ہے۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ مسلمان پر فساد کو نہ روکنے کی ذمہ داری ہے۔

میں نے کہا کہ قرآن میں ہے : وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا (آل عمران ۱۲۰) یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو مخالفین کی سازش تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گی۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ سازش کی موجودگی نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ صبر وتقوی کی غیر موجودگی ہے۔ اس کے مطابق، فساد کا واقعہ پیش آنے کا سبب یہ نہیں ہے کہ یہاں سازش ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم اس کے مقابلہ میں صبر وتقویٰ کا طریقہ اختیار نہیں کر پاتے۔

میں نے کہا کہ خواہ ہندستان کا مسئلہ ہو یا کسی اور ملک کا مسئلہ، ہمیشہ ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ ایسی کارروائی کریں گے جس سے دوسروں کے جذبات بھڑکیں۔ اس مسئلہ کا حل دوسروں کو روکنا نہیں ہے بلکہ خود اپنے جذبات پر کنٹرول کرنا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے جہاں بھی ردعمل کا اور مشتعل ہونے کا طریقہ اختیار کیا، وہاں بات بڑھ کر فساد تک پہنچ گئی۔ اور جہاں صبر واعراض کا طریقہ اختیار کیا وہاں بات پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہوگئی اور عمومی فساد کی نوبت نہیں آئی۔

اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایڈ منسٹریشن کبھی فساد کو روک نہیں سکتا۔ فساد جب بھی رکے گا وہ مسلمانوں ہی کے روکنے سے رکے گا۔ اور اس کو روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ مسلمان اشتعال انگیزی پر مشتعل نہ ہوں۔ وہ ناخوش گوار باتوں پر صبر کر لیں۔ اور اگر ضرورت ہو تو پہلے ہی مرحلہ میں اس کو پولیس کے حوالے کر دیں۔ اگر مسلمان ایسا کریں تو اس ملک میں ہمیشہ کے لیے فساد کی جڑ کٹ جائے۔

حاکم اور محکوم

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں۔ ان سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حالات درست تھے، مگر حضرت علی کے زمانہ میں حالات بگڑ گئے۔ اس سلسلہ میں ایک شخص سے آپ کی گفتگو اس طرح نقل کی گئی ہے:

سأل رجلٌ علياً رضي الله عنه ما بالُ المسلمين اختلفوا عليك ولم يختلفوا على أبي بكر وعمر۔ فقال: لأنّ ابابكرٍ وعمرَ كانا واليين على مثلي وأنا اليومَ والٍ على مثلك، يُشيرُ إلى وازعِ الدين (مقدمہ ابن خلدون ۲۱۱)

ایک شخص نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے کہ وہ آپ سے اختلاف کر رہے ہیں حالانکہ انھوں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس لیے کہ ابوبکر اور عمر میرے جیسے کے اوپر حاکم تھے اور میں آج تمہارے جیسے کے اوپر حاکم ہوں۔ ان کا اشارہ لوگوں کے دینی رجحان کی طرف تھا۔

خلیفہ چہارم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ صالحہ کس طرح وجود میں آتی ہے۔ اور اس کے قیام کے اصول و شرائط کیا ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح نظام حکومت قائم ہونے کے لیے صرف صالح حکمراں کا ہونا کافی نہیں۔ بلکہ یہ بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ ماتحت عوام میں بقدر ضرورت صلاح کی کیفیت پائی جا رہی ہو۔ اس قول کے مطابق، خلیفہ اول اور خلیفۂ ثانی کی کامیاب حکومت کا راز یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں اصحاب رسول بڑی تعداد میں موجود تھے اور معاشرہ پر انھیں کا مزاج غالب تھا۔ مگر خلیفہ چہارم کے زمانہ میں نومسلموں کی کثرت کے بعد اصحاب رسول اقلیت بن گئے اور معاشرہ پر ان لوگوں کا غلبہ ہو گیا جو اصحاب رسول جیسا ذہن اور مزاج نہیں رکھتے تھے۔

حکمراں افراد کی تبدیلی سے پہلے معاشرہ کے افراد کی تبدیلی ضروری ہے۔ معاشرہ اگر برا ہو تو صحابیٔ رسول جیسے حکمراں کی موجودگی بھی صالح نظام کے قیام کی ضمانت نہیں بن سکتی۔

اعتراف اور بے اعترافی

گلبرٹ کیتھ چسٹرٹن (G.K. Chesterton) ایک انگریز مصنف ہے۔ وہ ۱۸۷۴ میں لندن میں پیدا ہوا۔ ۱۹۳۶ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کا ایک قول ہے کہ لوگ اکثر جھگڑتے ہیں کیوں کہ وہ اپنی بات کو دلیل سے ثابت نہیں کر پاتے:

People generally quarrel because they cannot argue.

دو آدمیوں کے درمیان کسی اختلافی موضوع پر بات ہو رہی ہو۔ اس کے بعد ان میں سے ایک آدمی تیز تیز بولنے لگے یا الزام تراشی کی زبان استعمال کرنا شروع کر دے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ دلیل کے میدان میں اپنے کو کمزور پا رہا ہے اور دلیل کی کمی کو الفاظ کی زیادتی سے پورا کرنا چاہتا ہے۔ گفتگو میں جھگڑنا خود اپنی کمزوری کا ثبوت ہے نہ کہ فریق ثانی کی کمزوری کا۔

دلیل غصہ سے زیادہ طاقت ور ہے، جس طرح بم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے۔ جس آدمی کے پاس زیادہ طاقت کا ہتھیار ہو وہ کبھی کم طاقت کا ہتھیار استعمال نہیں کرتا۔ اسی طرح جس آدمی کے پاس دلیل کا زور ہو وہ اپنے حریف کے مقابلہ میں کبھی غصہ کا زور نہیں دکھائے گا۔

دلیل کی زمین پر کھڑا ہونے کا احساس آدمی کے اندر پُراعتماد سنجیدگی پیدا کرتا ہے، اور دھاندلی کی زمین پر کھڑا ہونے کا احساس جھنجلاہٹ اور بے یقینی۔

جب دو آدمیوں کے درمیان کسی موضوع پر گفتگو ہو۔ اور دلائل کے سامنے آنے کے بعد یہ ظاہر ہو کہ ایک آدمی کا نقطۂ نظر صحیح تھا اور دوسرے آدمی کا نقطۂ نظر غلط، تو اس کے بعد دوسرا آدمی کیوں ایسا کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی مان لینے کے بجائے طیش میں آجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اعترافِ حق کی عظمت کو نہیں جانتا۔ وہ اپنی عظمت سے واقف ہے مگر وہ حق کی عظمت سے واقف نہیں۔

آج ہر آدمی لذتِ بے اعترافی میں جی رہا ہے۔ کسی کو بھی لذتِ اعتراف کی کیفیت معلوم نہیں۔

مسجد کا مسئلہ

مسجد کے لفظی معنی ہیں ——— سجدہ کرنے کی جگہ۔ اصولی طور پر ساری زمین مسجد ہے۔ کیوں کہ زمین میں جہاں بھی اور جس حصہ میں بھی نماز ادا کی جائے وہ کسی کمی کے بغیر پوری طرح ادا ہو جائے گی۔ حدیث میں اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات نقل ہوئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں :

أینما صلیتم فهو مسجد۔	تم جہاں بھی نماز پڑھ لو وہی مسجد ہے۔
جُعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔	پوری زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی۔
أینما كنتم فصلّوا	تم جہاں ہو وہیں نماز پڑھ لو۔

(الجامع لاحكام القرآن ، ۱۹/۱۹)

مسجد کے نام سے مخصوص عمارت جو بنائی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی عبادت صرف اسی مسجد کے اندر ادا کی جا سکتی ہے۔ کسی آبادی میں مسجد بنانے کا خاص مقصد نماز کی تنظیم ہے۔ کیوں کہ جگہ کی تعیین کے بعد جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا لوگوں کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

مساجد کا درجہ

دنیا میں اس وقت چھوٹی اور بڑی تقریباً چالیس لاکھ مسجدیں ہوں گی۔ مگر تین مسجدوں کو چھوڑ کر، تمام مسجدوں کا درجہ شریعت میں یکساں ہے۔ یہ تین مسجدیں یہ ہیں ——— مکہ کی مسجد حرام، مدینہ کی مسجد نبوی اور فلسطین کی مسجد اقصیٰ۔

یہی تین مسجدیں ہیں جن کو اسلام میں امتیازی درجہ دیا گیا ہے۔ ان تین کے علاوہ جو مسجدیں ہیں وہ سب کی سب بالکل یکساں ہیں، خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، تاریخی ہوں یا غیر تاریخی، مشہور ہوں یا غیر مشہور۔ حتی کہ مذکورہ تین کے علاوہ بقیہ مسجدوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ آدمی ان کے علاوہ کسی اور مسجد میں فضیلت کے خیال سے جائے یا قریب کی مسجد کو چھوڑ کر بلا سبب دور کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا تُشَدُّ الرِّحالُ إلّا إلى ثلاثة   سفر نہ کیا جائے مگر صرف تین مسجدوں کے لیے۔

مساجدَ۔ المسجد الحرام ومسجدِ الرسول ومسجد الاقصیٰ (اخرجہ البخاری ومسلم) مسجد حرام اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

مذکورہ تین مسجدوں کے سوا سب مسجدیں اسلام کی نگاہ میں برابر ہیں۔ اِلا یہ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی استثناء ثابت ہو۔ ان تین کے علاوہ کسی اور مسجد کو بطور خود اگر کوئی بڑا نام دے دیا جائے، مثلاً اس کو شہنشاہی مسجد کہا جائے تو ایسا نام ان ھی الا اسماء سمیتموھا (یوسف) کا مصداق ہوگا، وہ لوگوں کا اپنا خود ساختہ نام ہوگا۔ ایسے کسی نئے نام کی وجہ سے وہ مسجد امتیازی اہمیت کی حامل نہیں بن جائے گی۔

مسجد کس لیے

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو (الجن ۱۸) دوسری جگہ مدینہ کی مسجد کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے جو اول دن سے تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر کی گئی (التوبہ ۱۰۸) ان آیتوں سے مسجد کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد وہ عمارت ہے جو صرف اللہ کی نسبت سے بنائی جاتی ہے۔ اس میں صرف اللہ کی یاد اور اللہ کی عبادت ہونا چاہیے۔ مسجد کو صرف ان اعمال کا مرکز ہونا چاہیے جو بندہ کو اللہ سے قریب کرنے والے ہیں۔

یہی بات حدیث میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے کہ مسجدیں متقیوں کا گھر ہیں (المساجد بیوت المتقین) دوسرے لفظوں میں یہ کہ مسجد تقویٰ کی تربیت کا مرکز ہے۔ مسجد کا یہ مقصد خود متعین کر دیتا ہے کہ مسجد کو کیسا ہونا چاہیے۔ مسجد کی زمین، اس کی تعمیر، اس کا نظام، اس کے اندر کی سرگرمیاں، اس کا ماحول، سب کچھ تقویٰ کے اصول پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس بات کا خصوصی اہتمام کیا جانا چاہیے کہ مسجد سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی معاملہ ایسا نہ ہو جو تقویٰ کے مقصد کو مجروح کرنے والا ہو۔ مسجد کے تمام معاملات میں اصل معیار تقویٰ ہے نہ کہ کوئی دوسری چیز۔

مسجد کے معاملہ میں اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پہلو کو ہمیشہ خاص اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ ایسی باتوں سے ہمیشہ احتراز کیا گیا ہے جو کسی بھی درجہ میں تقویٰ کے مقصد کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ یہاں ہم مساجدِ اسلامی کی تاریخ سے چند چیزوں کا ذکر کریں گے۔ یہ باتیں احاطہ کے طور پر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی حیثیت علامتی مثالوں کی ہے۔

مسجد کی زمین

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے تو آپ نے مدینہ میں ایک مسجد تعمیر کی۔ یہ وہی مسجد ہے جس کو مسجد نبوی کہا جاتا ہے۔ آپ مدینہ پہنچے تو اس وقت وہاں ایک میدان تھا۔ آپ نے اس جگہ کو مسجد کی تعمیر کے لیے پسند فرمایا۔ اس زمین کے مالک انصار کے دو یتیم لڑکے تھے۔ ان کا نام سہل اور سہیل تھا، روایت میں آتا ہے کہ :

ثامنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ۔ فقالا بل نہبہ لک یا رسول اللہ۔ فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی ابتاعہ منہما بعشرۃ دنانیر

(الروض الانف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں لڑکوں سے زمین کی قیمت کا معاملہ کرنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، یہ زمین ہم آپ کو بلا قیمت دیتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا۔ اور زمین کو ان دونوں سے دس دینار میں خریدا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے اسلام کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی زمین ایسی ہونی چاہیے جس میں ذاتی ملکیت کا کوئی شبہ نہ ہو۔ تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کر سکے کہ مسجد کی زمین میں اس کا کوئی خصوصی حق ہے، مسجد ایک عبادت خانہ ہے اور اس کو ہر اعتبار سے خدا کا عبادت خانہ ہی ہونا چاہیے۔

غصب کی زمین نہیں

قرآن کے مطابق، کسی مذہب کے عبادت خانہ کو ڈھانا ایک ظالمانہ فعل ہے (الحج ۴۰) خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی کے زمانہ میں شام و فلسطین کے عیسائی علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو عہد نامے لکھے گئے ان میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی درج تھا کہ ان کے گرجا میں رہائش نہ کی جائے گی اور ان کو ڈھایا نہ جائے گا اور نہ ان میں کچھ کمی کی جائے گی (لا یُسکن کنائسہم ولا تُہدم ولا یُنتقص منہا)

اسلام میں یہ بات سراسر ناجائز ہے کہ کسی کی زمین پر زبردستی قبضہ کر کے وہاں مسجد بنائی جائے۔ اگر غصب کی ہوئی زمین پر مسجد بنائی جائے تو اسلامی فقہاء کا کہنا ہے کہ ایسی مسجد میں نماز

پڑھنا جائز نہیں (لا تجوز فیہ الصلاۃ)

بنو امیہ کے زمانہ میں دمشق کے ایک گرجا پر قبضہ کر کے مسلمانوں نے وہاں مسجد بنالی تھی۔ اس کے بعد جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے جو نہایت صالح اور راشد حکمراں تھے، عیسائیوں نے اس کی شکایت ان کے سامنے پیش کی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ یہ مسجد عیسائیوں کے حوالے کر دی جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل عبد العزیز سید الاہل کی کتاب الخلیفۃ الزاہد عمر بن عبد العزیز (مطبوعہ قاہرہ) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نزاعی مقام سے پرہیز

خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۱۶ھ میں فلسطین فتح ہوا۔ اس موقع پر خود حضرت عمر مدینہ سے فلسطین گئے تاکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان معاہدہ کی تکمیل کریں۔ اس سلسلہ میں جو واقعات تاریخ کی کتابوں میں آئے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ بات چیت کے دوران ایک بار حضرت عمر یروشلم کے کنیسۂ قیامہ (Church of Resurrection) میں تھے۔ اس اثنا میں نماز کا وقت آگیا۔ انھوں نے وہاں کے بطریق (Patriarch) سے کہا کہ مجھے نماز پڑھنا ہے۔ بطریق نے کہا کہ آپ اپنی نماز یہیں گرجا کے اندر پڑھ لیجئے۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں۔ اگر میں یہاں نماز پڑھوں گا تو بعد کے مسلمان یہ کہیں گے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی ہے، اس لیے ہم یہاں مسجد بنائیں گے۔ اور اس طرح مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مسجد اور چرچ کا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

حضرت عمر نے اس کے بعد یہ کیا کہ وہ چرچ سے نکل کر اتنے فاصلہ تک گئے جس کو پتھر پھینکنے کی دوری (stone's throw) کہا جاتا ہے۔ اور پھر وہاں اپنی عبا بچھا کر نماز ادا کی۔

بعد کو وہی ہوا جس کا اندیشہ حضرت عمر نے ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ بعد کے مسلمانوں نے آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ پر قبضہ کیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ یہ مسجد آج بھی یروشلم میں موجود ہے اور اس کا نام مسجد عمر ہے۔ یہ مسجد کنیسۂ قیامہ سے رمیۃ حجر کے فاصلہ پر ہے۔ یعنی ایک پتھر زور سے پھینکا جائے تو وہ جتنی دور پہنچے گا اتنی ہی دوری پر یہ مسجد بنی ہوئی ہے۔

(عبد اللہ التل، خطر الیہودیۃ العالمیۃ علی الاسلام والمسیحیۃ، القاہرہ ۱۹۶۴، صفحہ ۱۲۹)

پروفیسر آرنلڈ (T.W. Arnold) نے اپنی مشہور کتاب تاریخ دعوت اسلام (The Preaching of Islam) میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

In company with the Patriarch, Umar visited the holy places, and it is said while they were in the Church of the Resurrection, as it was the appointed hour of prayer, the Patriarch bade the caliph offer his prayers there, but he thoughtfully refused, saying that if he were to do so, his followers might afterwards claim it as a place of Muslim worship. (p.57)

عمرؓ نے بطریق کے ساتھ یروشلم کے مقدس مقامات کی زیارت کی۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ دونوں کنیسۂ قیامہ میں تھے تو وہاں نماز کا وقت آگیا۔ مسیحی بطریق نے مسلم خلیفہ سے کہا کہ آپ کنیسہ ہی میں اپنی نماز پڑھ لیں۔ مگر انھوں نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مسلمان بعد کو یہ دعوی کریں گے کہ یہ ایک اسلامی عبادت خانہ ہے (صفحہ ۵۷)

خلیفۂ اسلام کا یہ عمل بتاتا ہے کہ نزاع کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنا اسلام میں غیر مطلوب ہے۔ مسجد روحانی پاکیزگی کے لیے ہے، اور جس مسجد کے ساتھ جھگڑے کا ماحول قائم ہو جائے وہ مسجد کبھی روحانی پاکیزگی کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ نزاعی زمین پر اگر کوئی مسجد بنائی جائے تو وہ اللہ کی یاد کا مرکز بننے کے بجائے انسانی ٹکراؤ کا مرکز بن جائے گی۔ ایسی مسجد خود مسجد کے مقصد کی نفی کرنے والی ثابت ہوگی۔

مزید یہ کہ ایسی مسجد امکاناتِ دعوت کو قتل کرنے کے ہم معنی ہے۔ اسلام کے لیے دوسری قومیں مدعو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اہل اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ دوسری قومیں اگر تمہارے ساتھ زیادتی کریں تب بھی تم یک طرفہ طور پر ان کے معاملہ میں صبر کا طریقہ اختیار کرو (ابراہیم ۱۲) اس حکم کا مدعا یہ ہے کہ داعی اور مدعو کے درمیان معتدل تعلق قائم رہے۔ ایسی حالت میں کیسے ممکن ہے کہ اسلام اس کو پسند کرے کہ خود اہل اسلام ایسا فعل کریں جو داعی اور مدعو کے درمیان نزاع پیدا کر کے باہمی تعلقات میں تلخی پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔

اسی حکمت کی بنا پر لازم ہے کہ اہل اسلام ایسی جگہ مسجد بنانے سے مکمل پرہیز کریں جس کے بارہ میں یہ اندیشہ ہو کہ حال یا مستقبل میں اس کو طرفین کے درمیان نزاع کا مسئلہ بنایا جا سکتا ہے۔

ٹکراؤ کے بغیر

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر کے بعد اگر مسجد کے معاملہ میں کوئی مسئلہ کھڑا ہو تو اہل اسلام کو ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے۔ اس کی ایک انتہائی مثال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود ہے۔

مکہ کی مسجد حرام تمام مسجدوں میں سب سے زیادہ مقدس مسجد ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے، اس وقت یہ مسجد اہل شرک کے قبضہ میں تھی، انھوں نے اس مسجد میں ۳۶۰ بت رکھ دیے تھے۔ یہ بلاشبہ مکہ کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ مگر اس وقت قرآن میں جو آیتیں اتریں ان میں رسول اللہ کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مکہ کی مسجد کو بتوں سے پاک کرو، یا اس کے اخراج کے لیے مکہ میں احتجاجی مہم چلاؤ۔

اس کے بجائے قرآن میں پہلی آیت یہ اتری کہ اقرأ باسم ربك الذی خلق (اللہ کے نام سے پڑھو جس نے تم کو پیدا کیا) مکہ کے تیرہ سالہ دور میں اسی قسم کی دعوتی آیتیں اترتی رہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مکی دور میں کبھی بھی مسجد سے بتوں کے اخراج کو اشو نہیں بنایا۔ مسجد سے بتوں کو نکالنے کے بجائے آپ دلوں سے بت کو نکالنے کی مہم میں لگے رہے۔ گویا مسجد میں بت کے مسئلہ کو آپ نے لوگوں کے دلوں میں داخلہ سے حل کیا نہ کہ خود مسجد میں داخلہ سے۔

مسجد ضرار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا کہ مدینہ کے اطراف میں کچھ لوگوں نے ایک مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھنا شروع کیا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں لے جانا چاہا، مگر آپ اس میں داخل نہیں ہوئے اور بعد کو آپ کے حکم سے وہ مسجد توڑ دی گئی (التوبہ ۱۰۷)

اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مسجد کچھ شرارت پسند مسلمانوں نے بنائی تھی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے۔ مگر اندر اندر وہ رسول اللہ کی سیادت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی یہ مسجد اس لیے بنائی تھی کہ وہاں نماز کے پردہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کریں۔ مسجد اس

قسم کی مخالفانہ سرگرمیوں کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذکر اور تقوی والے اعمال کے لیے ہے۔ اس لیے اس مسجد کو ڈھایا گیا اور اس کو جلا کر ختم کر دیا گیا (التفسیر المظہری ۴/۲۹۷)

دورِ رسالت کے اس واقعہ سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کا سیاسی استعمال اسلام میں درست نہیں۔ یہ مسجد کے مقصد کی نفی ہے کہ اس کو سیاسی نظام کے خلاف سرگرمیوں کا مرکز بنایا جائے۔ مسجد صرف عبادت خانہ ہے، اور اس کو عبادت خانہ ہی کی حیثیت سے باقی رہنا چاہیے۔ عبادت سے تعلق رکھنے والے شعبے مسجد میں قائم کیے جا سکتے ہیں مگر عبادت کے خلاف شعبے نہیں۔

مسجد کی حفاظت

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں سے ایک قانون دفع ہے۔ اس کے ذریعہ وہ حالات میں ایسی تبدیلی کرتا رہتا ہے جو مسجد اور دوسرے عبادت خانوں کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ قرآن کی یہ آیت حسب ذیل ہے:

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا۔ ولينصرن الله من ينصره، ان الله لقوي عزيز (الحج ۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، ڈھا دیے جاتے۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرے۔ بے شک اللہ زبردست ہے، زور والا ہے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو آزادی عطا کی ہے۔ مگر اس آزادی کی ایک حد ہے۔ اور وہ حد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا گروہ اپنی آزادی کو یہاں تک لے جائے کہ وہ مذاہب کے عبادت خانوں کو اور مسجدوں کو ڈھانے لگے تو ایسے شخص یا گروہ کو اقتدار کے مقام سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ایسے سرکش لوگوں کے خلاف ہمیشہ کوئی جوابی طاقت ظاہر ہوتی ہے جو ان کو دھکیل کر پیچھے کر دیتی ہے۔ تاکہ وہ عبادت خانوں کی تخریب کے قابل نہ رہیں۔

موجودہ زمانہ میں اس کی ایک مثال سوویت یونین ہے۔ اس نے اپنے زیر قبضہ علاقہ میں

مسجدوں اور عبادت خانوں کو ختم کرنا شروع کیا تو اللہ تعالٰے نے ایسے حالات پیدا کیے کہ خود سوویت یونین کا خاتمہ ہو گیا۔

مسجد کی بے حرمتی

البخاری، مسلم، النسائی، الترمذی، ابوداؤد اور موطا امام مالک میں یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ کی مسجد نبوی میں تھے۔ اس اثنا میں ایک دیہاتی آیا۔ وہ مسجد میں کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ آپ کے اصحاب اس کو پکڑنے کے لیے دوڑے تو آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو۔ اس کو کر لینے دو۔ دیہاتی آدمی جب پیشاب کر چکا تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ پانی لے کر پیشاب کے مقام پر بہا دو اور اس کو صاف کر دو۔ پھر آپ نے دیہاتی کو بلایا اور اس سے نرمی کے ساتھ کہا:

إِنَّ هذه المساجدَ لا تصلحُ لشيءٍ مِن هذا البول والقذر، انما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن۔	یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی جیسی چیزوں کے لیے نہیں ہیں، وہ اللہ کی یاد کے لیے اور نماز کے لیے اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں۔

اس حدیث کو امام البخاری نے باب الرفق فی الامر کلہ کے تحت نقل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کی اتنی بڑی بے حرمتی کرے کہ وہ اس میں داخل ہو کر پیشاب کر دے تب بھی مسلمانوں کو مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو ہر حال میں نرمی اور بردباری کی روش پر قائم رہنا چاہیے۔ ان کی توجہ گندگی کی صفائی پر مرتکز رہنا چاہیے نہ کہ گندگی پیدا کرنے والے سے انتقام لینے پر۔

خدا کا معاملہ

مساجد کے تاریخی واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو برٹانیکا کے بیان کے مطابق ۵۷۰ء میں عرب میں پیش آیا۔ اس وقت یمن میں ایک مسیحی بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام ابرھہ تھا۔ اس نے اپنی راجدھانی صنعا میں ایک بہت بڑا کلیسا بنایا۔ اور چاہا کہ اس کو سارے جزیرۂ عرب کی زیارت گاہ بنا دے۔ اس وقت کعبہ عربوں کا سب سے بڑا مقدس عبادت خانہ سمجھا جاتا تھا۔ ابرھہ نے طے کیا کہ وہ کعبہ کو ڈھا دے، تاکہ اس کے مقصد کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

ابرھہ ایک بڑی فوج لے کر یمن سے روانہ ہوا۔ اس میں ۶۰ ہزار سپاہی اور تقریباً ایک

درجن ہاتھی تھے، مکہ کے قریب پہنچ کر اس نے پڑاؤ ڈالا۔ اس کے فوجیوں نے یہاں لوٹ مار کی۔ اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب بن ہاشم کے دو سو اونٹ بھی تھے جن کو ابرہہ کے فوجی ہنکا لے گئے۔

عبد المطلب اس کے بعد روانہ ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچے اور اس سے ملاقات کی۔ وہ نہایت وجیہہ آدمی تھے اور شاندار شخصیت کے مالک تھے، جب وہ ابرہہ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو ابرہہ ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر فرش کے اوپر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ترجمان کے ذریعہ دونوں میں بات ہوئی۔

ابرہہ نے ترجمان کی معرفت عبد المطلب سے پوچھا کہ آپ کے آنے کی غرض کیا ہے۔ عبد المطلب نے جواب دیا کہ تمہارے آدمیوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ یہ اونٹ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں آپ سے متاثر ہوا تھا۔ مگر آپ کی اس بات نے آپ کو میری نظر سے گرا دیا۔ آپ پر تعجب ہے کہ آپ مجھ سے اپنے اونٹ کی بات کر رہے ہیں، اور اس مقدس گھر کی بات نہیں کرتے جس کو ڈھانے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ اس کے جواب میں عبد المطلب نے کہا:

انا ربُّ الإبل وللبيت رب يمنعه — میں اونٹ کا مالک ہوں۔ اور مقدس گھر کا مالک خدا ہے، وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ (الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ۱/۴۴۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قرآن کی سورہ نمبر ۱۰۵ نازل ہوئی جو خاص اسی واقعہ کے بارہ میں ہے، اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ قریش کے سردار عبد المطلب بہت بزدل تھے کہ انھوں نے مکہ کی مقدس مسجد پر حملہ کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس سورہ میں صرف اللہ کی اس کارروائی کا ذکر ہے کہ اس نے حملہ آوروں کو پسپا کر کے مکہ کی مسجد کو بچا لیا۔ اس طرح قرآن کی یہ سورہ گویا عبد المطلب کے عمل کی تصدیق ہے۔ وہ بالواسطہ انداز میں اس اصول کو بتا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد کے خلاف اقدام کرے تو اس وقت اہل مسجد کو کیا کرنا چاہیے۔ اہل مسجد کو چاہیے کہ اس وقت اپنے آپ کو سنبھالیں، اور مسجد کے معاملہ کو خدا کے حوالے کر دیں۔

مسجد یا عبادت گاہ کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اگر ضد کا ماحول نہ ہو تو خود انسان کا ضمیر مسجد کا چوکیدار بنا رہے گا۔

مسجد کی عظمت

مسجد خدائے برتر کی عظمت کا مقام ہے۔ اس نسبت نے مسجد کے اندر ایک فاتحانہ شان پیدا کر دی ہے۔ حتی کہ مسجد اپنی نگہبان آپ بن جاتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کسی نے مسجد کو نقصان پہنچایا تو جلد یا بدیر مسجد خود اسی کے اوپر غالب آگئی۔ یہاں تک کہ مسجد کو نقصان پہنچانے والوں ہی نے مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا۔

اس سلسلہ کا ایک نمایاں واقعہ وہ ہے جو عباسی سلطنت کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے بعد پیش آیا۔ یہاں ہم ایک عرب محقق کے الفاظ نقل کریں گے۔ انھوں نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے درست طور پر لکھا ہے :

وهاجم المغول عالم الاسلام من الشرق وخربوا البلاد واهلكوا العباد، ولكنهم لم ينتصروا على الاسلام، بل هزمهم الاسلام وغزا قلوبهم، وفي نفس المساجد التي خربها المغول في طريقهم من سمرقند الى حلب وجعلوا معظمها اطلالا ركع المغولي المغلوب على امره وسجد للواحد القهار تحت سقوف المساجد، وقام احفاد هولاكو باعادة بناء المساجد وفيها صلوا وتحولوا الى بشر مسلمين، ولم يلبثوا ان خرجوا هم انفسهم مجاهدين في سبيل الاسلام حاملين رايته مدافعين اعداءه وسائرين باسمه في معارج الرقي والعمران (دکتور حسین مونس، المساجد، المجلس الوطني للثقافة والفنون والآداب، کویت ۱۹۸۱، صفحہ ۳۲)

مشرق سے منگولوں نے عالم اسلام پر یلغار کی۔ انھوں نے شہروں کو تباہ کیا اور انسانوں کو ہلاک کیا۔ مگر وہ اسلام پر فتح نہیں پا سکے۔ بلکہ اسلام نے انھیں شکست دی اور ان کے دلوں کو مفتوح کر لیا۔ وہی مسجدیں جن کو سمرقند سے لے کر حلب تک کے راستے میں منگولیوں نے ڈھا دیا تھا اور ان میں سے بیشتر کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا، بالآخر انھیں مسجدوں کو ہلاکو کے پوتوں نے دوبارہ تعمیر کیا۔ اور اس کی چھتوں کے نیچے انھوں نے عاجزانہ طور پر خدائے واحد وقہار کے آگے سجدہ کیا۔ وہ سب بالآخر مسلمان بن گئے۔ اور اسلام کا پرچم لے کر اس کی راہ میں جہاد کے لیے نکل پڑے۔ انھوں نے اسلام کے دشمنوں کا دفاع کیا۔ اور اس کے ذریعہ ترقی وتمدن کے اعلیٰ مراحل طے کیے (صفحہ ۳۲)

اس طرح کے واقعات بتاتے ہیں کہ مسجد کے ساتھ خدا کی خاص نصرت ہوتی ہے۔ حتی کہ مسجد اپنی نگہبان آپ بن جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسجد کا معاملہ سورج جیسا ہے۔ بادل سورج کو وقتی طور پر ڈھانپ سکتا ہے، مگر بادل سورج کی روشنی کو بجھا نہیں سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص یا گروہ وقتی طور پر مسجد کو نقصان پہنچا سکتا ہے، مگر وہ مستقل طور پر مسجد کا خاتمہ نہیں کر سکتا۔ مسجد وہ مقام ہے جس کو خداوند ذوالجلال کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور کون ہے جو ایسے مقام کو مٹا دے جس کو خداوند ذوالجلال کی نسبت حاصل ہو۔

زر تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے: ہوائی ڈاک	بحری ڈاک
فی پرچہ	Rs 6	$ 1.5/£1	
ایک سال کے لیے	Rs 72	$ 20/£10	$ 10/£5
دو سال 〃 〃	Rs 135	$ 35/£18	$ 18/£8
تین سال 〃 〃	Rs 200	$ 50/£25	$ 25/£12
پانچ سال 〃 〃	Rs 300	$ 80/£40	$ 40/£18
خصوصی تعاون (سالانہ)	Rs 500	$ 100/£50	

تعمیر یا تخریب

بھارتیہ جنتا پارٹی نے ۳ نومبر ۱۹۹۲ کو بھارت بند منایا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ گورنمنٹ کے خلاف احتجاج کی علامت کے طور پر ایک روز کے لئے پورے ملک میں ہر قسم کی سرگرمیوں کو معطل کر دیا جائے۔ اس قسم کی کال عوام کے تعاون ہی سے کامیاب ہو سکتی تھی۔ مگر عوام نے بہت کم اس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ بھارت بند کا منصوبہ عملاً غیر موثر ہو کر رہ گیا۔ اگر کہیں بظاہر کامیابی ہوئی تو وہ زبردستی کی کامیابی تھی۔ اس کی ایک مثال نیچے کی تصویر میں نظر آتی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے آدمیوں نے دہلی کی ایک بس کے ٹائر سے اس کی ہوا نکال دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بس کو سڑک پر کھڑا ہو جانا پڑا۔

بند اور ہڑتال خواہ کسی بھی پارٹی کی طرف سے ہو اور کسی بھی ملک میں ہو، بلاشبہ وہ تخریب ہے، اور ہر حال میں قابل مذمت ہے۔ تخریب کاری کا طریقہ زندگی کی چلتی ہوئی گاڑی کو روک سکتا ہے۔ مگر تخریب کاری کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ رکی ہوئی گاڑی کو زندگی کی شاہراہ پر رواں دواں کر سکے۔

اس وقت ملک کا اصل مسئلہ گاڑی کو روکنا نہیں ہے۔ بلکہ رکی ہوئی گاڑی کو چلانا ہے۔ ملک کی آزادی پر نصف صدی کی مدت پوری ہو رہی ہے، مگر اب تک ہمارا ملک ترقی کی شاہراہ پر



BJP workers deflated tyres of a DTC bus during the 'Bandh'.

رواں دواں نہ ہو سکا۔ اس کی کم از کم ایک وجہ یہ ہے کہ جو شخص بھی ملک کی ترقی کے نام پر اٹھتا ہے، وہ کوئی ایک یا دوسرا لفظ بول کر توڑ پھوڑ کی سرگرمیاں شروع کر دیتا ہے۔ وہ تعمیر کے بجائے تخریب کا کارنامہ انجام دینے لگتا ہے۔ اس منفی ذہن کو بدلنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہی ہوگا کہ دنیا تو سفر کرتی ہوئی آگے نکل جائے گی اور ہم ایک دوسرے سے لاؤڈ اسپیکر چھین کر جھوٹی تقریریں کرنے کا کرتب دکھاتے رہیں گے۔

ہندستان کی ترقی کو جو چیز سب سے زیادہ روکے ہوئے ہے وہ ایک لفظ میں عدم رواداری (Intolerance) ہے، اور اس ترقی کو جو چیز جاری کر سکتی ہے وہ دوبارہ ایک لفظ میں، رواداری (Tolerance) ہے۔ اس کے کوئی بھی تدبیر اس ملک کو ترقی کی طرف لے جانے والی نہیں۔

اسی رواداری کی فضا کو پیدا کرنے کے لئے ملک کے ابتدائی لیڈروں نے یہ طے کیا تھا کہ ملک کا نظام سیکولرزم کی بنیاد پر قائم کیا جائے گا۔ یعنی اسٹیٹ کسی ایک فرقہ یا مذہب کی پابند نہ ہوگی۔ بلکہ ہر ایک کو اس کے اپنے دائرہ میں آزادی دیتے ہوئے ریاستی امور کو مشترک ملکی مفاد کی بنیاد پر چلائے گی۔

آزادی کے بعد جن لیڈروں نے یہ طے کیا تھا کہ یہاں "سیکولر انڈیا" کی تعمیر کرنا ہے، انھوں نے ایک ممکن اور قابل حصول چیز کا فیصلہ کیا تھا۔ کیوں کہ جس معاشرہ میں مختلف مذہب اور کلچر کے لوگ بستے ہوں وہاں سیکولرزم ہی ایک قابل عمل نظریہ ہو سکتا ہے۔ یعنی لوگوں کو اپنے اپنے مذہب اور کلچر کی آزادی دیتے ہوئے ریاست کا نظام فلاح عامہ کی بنیاد پر چلایا جائے۔

مگر کچھ دوسرے لیڈروں نے ہندتو اور انڈینائزیشن کا نظریہ بنایا اور یہ نعرہ لگانا شروع کیا کہ: ہندی، ہندو، ہندستان۔ انھوں نے کہا کہ اس ملک کے تمام لوگ "ہندو" ہیں اور اکثریتی فرقہ کے کلچر ہی کو سارے ملک کا کلچر ہونا چاہیئے۔ یہ دوسرا نظریہ ناقابل عمل نظریہ تھا۔ چنانچہ اس نے جھگڑا پیدا کیا۔ وہ ملک کو ترقی کی طرف نہ لے جا سکا۔ اس نے صرف ترقی کے سفر میں بریک لگانے کا کام انجام دیا۔

ہندستان کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اس قسم کے کمیونلزم کے خلاف بیان (ٹائمس آف انڈیا ۲۳ مئی ۱۹۸۰) دیتے ہوئے کہا تھا کہ کوئی بھی چیز ملک کے مستقبل کے لئے اتنی خطرناک نہیں جتنا کہ کمیونلزم کا کینسر ہے۔ ہندستان یا تو سیکولر ہندستان کے طور پر زندہ رہے گا یا وہ سرے سے زندہ ہی نہ رہے گا،

آزمائش کا قانون

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو جانچا نہ جائے گا۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ پس اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کرے گا (العنکبوت ۱-۳)

مومن خدا کا مطلوب بندہ ہے۔ مومن کے لیے خدا کے یہاں ابدی جنتوں کے دروازے کھولے جائیں گے۔ مگر مومن کسی نسلی گروہ کا نام نہیں اور نہ زبانی اقرار سے کوئی شخص مومن بن جاتا۔ مومن اس سچے خدا پرست کا نام ہے جس کی سچائی حالات کے امتحان میں ثابت شدہ بن گئی ہو۔ ایک شخص جب یہ کہے کہ میں مومن ہوں تو وہ ایمان کے دروازہ میں داخل ہو گیا۔ مگر یہ کہنا آغاز ہے نہ کہ اختتام۔ اس کے بعد حالات کا عملی امتحان شروع ہوتا ہے۔ اس امتحان کے دوران یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا تھا، یا وہ سچا نہیں تھا۔ اس امتحانی مرحلہ سے گزرنے کے بعد ہی خدا کے یہاں اس کا مرتبہ متعین ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں۔

سچائی کا اعلان اگر ایک معروف اور مسلّم شخصیت کرے تو یہ امتحان کی بات نہیں ہوگی۔ کون ہوگا جو ایسی شخصیت کا انکار کرے۔ اس لیے سچائی کا اعلان ہمیشہ غیر مشہور اور غیر مسلّم شخص کے ذریعہ کرایا جاتا ہے۔ اب جو لوگ سچائی کو سچائی کے اعتبار سے پہچاننے کا مادہ رکھتے ہوں وہ فوراً اس کا اقرار کر کے امتحان میں پورے اتریں گے۔ اور جو لوگ سچائی کو شخصیت کے واسطہ سے پہچاننے کا مزاج رکھیں، وہ اس کا انکار کر دیں گے۔ اس طرح وہ امتحان میں ناکام رہیں گے۔

حق کے ساتھ مادی نفع کو حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ جو شخص صرف حق کا طالب ہو وہ اس کو لے لے، اور جو شخص مادی نفع کا طالب ہے وہ اس کو چھوڑ کر ثابت کرے کہ وہ حق کا سچا طالب نہیں۔ دین کے ساتھ مقبولیت ملتی ہو تو ہر آدمی ایسے دین کی طرف دوڑ پڑے گا۔ اس لیے دین کے ساتھ اجنبیت کو جوڑ دیا جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ کون فی الواقع حق کا طالب ہے اور کون حق کا طالب نہیں۔

آپ ڈاکٹر ہیں

۲۴ مئی ۱۹۹۲ کو حیدر آباد کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان سید عارف الدین قادری (۴۲ سال) سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ میں جناب ریاض احمد صدیقی (فتح منزل) کے پڑوس میں رہتا ہوں۔ وہ ہمیشہ ہم کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم داعی ہیں اور دوسرے لوگ ہمارے مدعو ہیں۔ اور داعی کو مدعو کے مقابلہ میں ہمیشہ صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے کہا کہ عارف بھائی، آپ پاگلوں کے ڈاکٹر ہیں۔ اگر کوئی پاگل آپ کو پتھر مار دے تو کیا آپ بھی اس کو پتھر سے ماریں گے۔ نہیں۔ آپ اس کا علاج کریں گے، کیوں کہ آپ ڈاکٹر ہیں اور وہ مریض۔

ایک شخص آپ کو گالی دے یا آپ کے اوپر کیچڑ پھینکے تو اس کے مقابلہ میں آپ کے ردعمل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس کو وقار کا مسئلہ بنالیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اس کو علاج کا مسئلہ بنائیں۔ اگرچہ واقعہ ایک ہی ہے۔ مگر دونوں صورتوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف جذبات آپ کے اندر ابھریں گے۔

پہلی صورت میں آپ کے اندر انتقام کا جذبہ بھڑک اٹھے گا۔ آپ چاہیں گے کہ اس کو سزا دیں۔ اس کو کچل ڈالیں۔ اس کی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کریں تاکہ اس کو ہمیشہ یاد رہے۔ جوابی کارروائی کے بغیر کسی طرح آپ کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوگا۔

دوسری صورت میں آپ کو اس سے ہمدردی پیدا ہوگی۔ آپ اس کو حریف نہیں بلکہ مریض سمجھیں گے۔ آپ اس کو شریر کی نظر سے نہیں بلکہ معذور کی نظر سے دیکھیں گے۔ آپ کی توجہ اس پر نہیں ہوگی کہ اس نے آپ کے ساتھ کیا کیا ہے، بلکہ آپ کی ساری توجہ اس پر مرتکز ہو جائے گی کہ آپ کس طرح اس کی برائی کو دور کریں اور اس کو ایک اصلاح یافتہ انسان بنادیں۔

جو آدمی پہلی نوعیت کا کردار ادا کرے اس کے صبح و شام فرشتوں کی صحبت میں گزرنے لگتے ہیں۔ اور جو آدمی دوسری نوعیت کا کردار ادا کرے وہ شیطان کا ہم صحبت ہے۔ شیطان برا ہے۔ جو لوگ شیطان کی صحبت اختیار کریں وہ خود بھی برے بن جائیں گے۔ فرشتے پاکباز ہیں، جو لوگ فرشتوں کی صحبت اختیار کریں وہ خود بھی پاکباز بن جائیں گے۔

ایک سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو جنگی مقابلے پیش آئے ان میں سے ایک جنگ احد (۳ ھ) ہے۔ اس جنگ میں ابتداءً اہل اسلام کو فتح ہوئی۔ مگر عین اس وقت کچھ مسلمانوں کی غلطی سے رخ بدل گیا اور مسلمان وقتی شکست سے دوچار ہوئے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے:

فأصيب سبعون قتيلاً واشرف ابو سفيان فقال - افي القوم محمد. فقال لا تجيبوه - فقال افي القوم ابن ابي قحافة - فقال لا تجيبوه. فقال افي القوم ابن الخطاب فقال لا تجيبوه - فقال : ان هولاء قتلوا. فلو كانوا احياء لأجابوا

(البدایہ والنہایہ ۴/۲۵)

پس مسلمانوں میں سے ستر آدمی مارے گئے۔ اور مشرکین کے سردار ابوسفیان نے بلندی سے پکار کر کہا۔ کیا قوم کے اندر محمدؐ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے جواب نہ دو۔ کہنے والے نے پھر کہا۔ کیا قوم کے اندر ابن ابی قحافہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے جواب نہ دو۔ کہنے والے نے پھر کہا۔ کیا قوم کے اندر ابن خطاب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے جواب نہ دو۔ اس کے بعد کہنے والے نے کہا: کہ یہ لوگ مارے گئے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔

جنگ احد کے بعد فریق ثانی کی طرف سے اشتعال انگیز باتیں کہی گئیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ جوابی انداز اختیار نہ کرو، بلکہ خاموش رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے مواقع پر مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے۔

اس سنتِ رسول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے ہیجانی مواقع پر اہل اسلام کو ردعمل کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اشتعال انگیزی کے باوجود مشتعل نہ ہوں۔ وہ نعرہ کا جواب نعرہ سے نہ دیں۔ اس کے بجائے وہ ایسا کریں کہ یک طرفہ طور پر خاموشی اختیار کرلیں۔ اگر وہ اللہ کی خاطر چپ ہو جائیں گے تو اللہ کے فرشتے ان کی طرف سے جواب دیں گے۔ اور جن لوگوں کی طرف سے اللہ کے فرشتے جواب دیں، ان کو زیر کرنا یقیناً کسی کے بس کی بات نہیں۔

صبر: نفسیاتی قربانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں اور عیسائیوں کی اکثریت نے آپ کا انکار کیا۔ تاہم ان کے کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے۔ ان مومنین کے بارہ میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے : جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے۔ ہم تو پہلے ہی سے اس کو ماننے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کو ان کا اجر دُہرا دیا جائے گا اس پر کہ انھوں نے صبر کیا (القصص ۵۲ - ۵۴)

یہاں صبر سے مراد نفسیاتی صبر یا نفسیاتی قربانی ہے۔ مذکورہ اہل کتاب (عبداللہ بن سلام وغیرہ) نے جس ایمان کا ثبوت دیا وہ نفسیات کی سطح پر صبر کی قربانی کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

ارشاد ہوا ہے کہ ان کو دہرا اجر دیا جائے گا۔ ایک اس بات پر کہ انھوں نے اپنی کتاب پر ایمان رکھا۔ اور دوسرا اس بات پر کہ وہ قرآن پر ایمان لائے (مرۃ علی ایمانہم بکتابہم ومرۃ علی ایمانہم بالقرآن) صفوۃ التفاسیر ۴۳۹/۲

پہلا ایمان ان کو اس "صبر" کی قیمت دینے پر ملا کہ انھوں نے اپنے آپ کو قومی دین سے اوپر اٹھایا اور پیغمبرانہ دین کا حامل بننے کا ثبوت دیا جو قومی روایات میں گم ہو چکا تھا۔ دوسرے ایمان کے لیے ان کو اس "صبر" کی قیمت دینی پڑی کہ انھوں نے ایک "اجنبی دین" کو پہچانا اور تمام مصلحتوں کو نظر انداز کر کے اس کا ساتھ دیا۔ اس دوگونہ صبر پر وہ دہرا اجر کے مستحق قرار پائے۔

حقیقی ایمان کسی آدمی کو اس وقت ملتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو حالات سے اوپر اٹھانے کے لیے تیار ہو۔ اس کے لیے آدمی کو اپنی قوم سے کٹنا پڑتا ہے۔ اکابر کی حمایت سے محرومی کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ ظواہر سے بلند ہو کر حقائق کو دیکھنا پڑتا ہے۔ مفادات کو نظر انداز کر کے اصول کو اپنا رہنما بنانا پڑتا ہے۔

یہ ایک بے حد سخت امتحان ہے۔ غیر معمولی نفسیاتی قربانی کے بغیر اس درجہ پر پہنچنا ممکن نہیں۔ اس نفسیاتی صبر کے بغیر کوئی شخص حق کو نہیں پا سکتا اور نہ اعلیٰ ایمانی ترقی حاصل کر سکتا۔

ایک واقعہ

خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آیا ہے۔ ابوسعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ابوموسیٰ اشعریؓ ایک بار عمر فاروقؓ سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر انھوں نے کہا کہ آپ پر سلامتی ہو، یہ ابوموسیٰ الاشعری ہے (السلام علیکم ھذا ابوموسی الاشعری) اس طرح انھوں نے تین بار کہا۔ مگر انھیں اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

حضرت عمر غالباً کسی کام میں مشغول تھے۔ فوری طور پر جواب نہ دے سکے۔ بعد کو جب انھیں معلوم ہوا کہ ابوموسیٰ الاشعریؓ واپس چلے گئے تو اگلے دن حضرت عمر نے ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تم واپس کیوں چلے گئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے تین بار اجازت مانگے، اور پھر بھی اس کو صاحب مکان کی طرف سے اجازت نہ ملے تو اس کے بعد وہ واپس چلا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ الاشعریؓ سے کہا کہ اس قولِ رسول پر تم گواہ پیش کرو، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا (واللہ اوجعنك) راوی کہتے ہیں کہ میں انصار کی مجلسوں میں سے ایک مجلس میں تھا کہ وہاں ابوموسیٰ الاشعریؓ آئے۔ وہ گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں عمرؓ کے یہاں گیا اور تین بار سلام کیا۔ مگر اجازت نہ ملی، اس لیے واپس ہو گیا۔ اس کے بعد عمر نے مجھ سے واپسی کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کے یہاں ملنے کے لیے جاؤ تو تین مرتبہ سلام کرو۔ اگر تین بار کے بعد اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔

عمرؓ نے کہا ہے کہ تم اس حدیث رسول پر گواہ لے آؤ، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ تو ایک معلوم بات ہے، اور اس کو بہت سے لوگوں نے سنا ہے۔ پھر ابوسعید الخدریؓ

اٹھ کر ان کے ساتھ روانہ ہوئے اور حضرت عمر کے پاس پہنچ کر اس قول رسول کی تصدیق کی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے اپنا حکم واپس لے لیا اور کہا کہ بازار کی مشغولیت نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا (شغلني الصفق بالاسواق) فتح الباری ۲۲/۱۱

حضرت ابی بن کعب کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اے عمر، تم رسول اللہ کے اصحاب پر عذاب نہ بنو۔ انھوں نے جواب دیا کہ سبحان اللہ، میں نے تو ایک بات سنی۔ پھر میں نے چاہا کہ اس کی حقیقت معلوم کروں (لا تكن عذابا على اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم- فقال عمر، سبحان الله، إنما سمعت شيئا فأحببت ان اتثبت) فتح الباری ۲۲/۱۱

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص کسی سے ملنے کے لیے جائے اور صاحب مکان اس وقت اس کو ملاقات کا وقت نہ دے تو اس پر جانے والے کے دل میں ملال نہیں آنا چاہیے۔ اسلامی مزاج کا تقاضا ہے کہ آدمی اس کو کسی معقول عذر پر محمول کرے اور بخوشی وہاں سے واپس چلا جائے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی اگر غلط فہمی کی بنا پر کسی کے بارہ میں ایک غیر واقعی رائے قائم کر لے تو اس پر لازم ہے کہ معاملہ کی وضاحت کے بعد وہ فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔ معاملہ کی وضاحت کے بعد اپنی سابقہ رائے پر قائم رہنا مومن کا طریقہ نہیں۔

تیسری بات جو اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے اوپر تنقید کرے، تو خواہ یہ تنقید کتنے ہی سخت الفاظ میں ہو، زیر تنقید شخص کو اسے برا نہیں ماننا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ تنقید کو ٹھنڈے دل سے سنے اور کسی اشتعال کے بغیر اصل بات کا جواب دے کر ناقد کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔

ایک سفر

۱۵ جنوری ۱۹۹۲ کو مجھے حیدرآباد پہنچنا تھا۔ صبح ۴ بجے نظام الدین سے ایرپورٹ کے لئے روانہ ہوا۔ سڑکوں پر کہر تھی۔ تاہم وہ زیادہ گہری نہیں تھی۔ گہری کہر ہو تو تیز روشنی میں بھی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح انسانی زندگی میں بھی وہ چیز ہوتی ہے جس کو عام طور پر ذہنی کہر آلودگی (befogging of minds) کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں مسلم دانشور اور مسلم رہنما یہی کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنی غیر واقعی باتوں سے مسلم ذہنوں کو اتنا زیادہ کہر آلود کر رہے ہیں کہ انھیں اپنے دائیں اور بائیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ قرآن کے مطابق، اس دنیا میں ہمیشہ عسر کے ساتھ یسر ہوتا ہے۔ مگر ہمارے لکھنے اور بولنے والے فضا میں ہر طرف عسر عسر کے الفاظ بکھیر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ یسر کی روشنی جلائے تب بھی الفاظ کے گہرے کہر کی وجہ سے لوگوں کو یسر کا پہلو دکھائی نہیں دیتا۔

ایرپورٹ کی بس وقت پر ایرپورٹ سے جہاز کی طرف روانہ ہوئی۔ بس کے اندر دو مسافر بات کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو کچھ اس طرح تھی:

تم تلگو، میں پنجابی۔ میرا تمہارا جوڑ نہیں ہو سکتا۔ تم پانی ہو تو میں آگ ہوں۔

آندھرا اسے سے ہے۔ وہ سب سے آگے رہے گا۔

کیا بات کہتے ہو۔ پنجاب ہمیشہ آگے رہے گا۔

وہ لوگ اگرچہ مذاق میں یہ بات کہہ رہے تھے۔ مگر میں نے سوچا کہ یہ صرف مذاق نہیں بلکہ حقیقت بھی ہے۔ آزادی سے پہلے ہندستان ایک تھا۔ مگر آزادی کے بعد وہ کئی ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادی سے پہلے کی ایکتا منفی بنیاد پر تھی۔ انگریز کا مشترک خطرہ تمام گروہوں کو ایک کئے ہوئے تھا۔ جب انگریز کا شانہ ہٹا تو سب کا تشخص الگ ہو گیا۔ ایک ملک کا باشندہ ہونے کے باوجود سب متفرق ہو کر آپس میں لڑنے لگے۔

عین یہی صورت حال پاکستان میں بھی پیش آئی۔ پاکستان کا مطالبہ ہندو خطرہ کی بنیاد پر اٹھا تھا۔ لوگ اس نعرہ پر متحد ہو گئے۔ مگر یہ منفی نعرہ تھا۔ چنانچہ جب پاکستان بن گیا تو منفی بنیاد پر متحد ہونے والے مثبت بنیاد پر متحد نہ ہو سکے۔ ہر ایک اپنا تشخص الگ قائم کر کے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگا۔

دہلی سے انڈین ایئرلائنز کی فلائٹ ۴۳۹ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ اپنے مقرر وقت پر صبح ۶ بجے جہاز روانہ ہوا۔ راستہ میں پڑھنے کے لئے آج کے اخبارات موجود تھے۔ پہلے ہی صفحہ پر یہ خبر تھی کہ احمد آباد کے قریب بس حادثہ میں ۳۵ مسافر ہلاک ہو گئے:

35 burnt to death in bus mishap.

زندگی کا سفر کتنا غیر یقینی ہے، مگر آدمی جب تک اپنے آخری انجام سے دوچار نہ ہو جائے وہ حقیقت کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اسٹیٹسمین (۱۵ جنوری) میں صفحہ ۶ پر ایک رپورٹ تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ سابق وزیر اعظم مسٹر چندر شیکھر نے الکشن مہم کے لئے انڈین ایئر فورس کے جہاز استعمال کئے۔ اس کا قرض ابھی تک ان کے اوپر باقی ہے جس کی مقدار چار کرور روپیہ ہے۔ یہ لیڈروں کے اس کرپشن کی صرف ایک بوند ہے جس نے آزادی کے بعد ملک کو اقتصادی دیوالیہ پن کے کنارے پہنچا دیا۔

روسی دانشور مسٹر الکزینڈر (Alexander Esaulov) دہلی یونیورسٹی میں ریڈر رہ چکے ہیں۔ ان کی ایک اپیل انڈین اکسپریس (۱۵ جنوری) میں دیکھی۔ اس میں انھوں نے انسانی مدد (humanitarian aid) کی اپیل کی تھی۔ انھوں نے ہندستانیوں سے کہا تھا کہ وہ اپنے روسی بھائیوں کی مدد کریں جو بہت ہی زیادہ مشکل میں مبتلا ہیں:

He called on Indians to help their Russian brothers in their hour of great, very great hardship.

انھوں نے کہا تھا کہ روسیوں کو گفٹ پارسل، فوڈ اسٹف، گرم کپڑے اور دوائیں بھیجی جائیں۔ انھوں نے شکایت کی تھی کہ انڈیا نے روس کو بھیجے جانے والے گفٹ آئٹم پر پوسٹل ریٹ میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ جب کہ امریکہ نے گفٹ پارسل کے لئے ایر میل ریٹ بہت کم کر دئے ہیں اور فرانس سے لاریوں میں بھر کر مفت سامان بھیجا جا رہا ہے۔ حالاں کہ فرانس اور امریکہ روسیوں کے لئے دشمن ملک تھے اور ہندستان اس کا دوست ملک۔

ہندستان ٹائمس (۸ جنوری ۱۹۹۲) میں انڈین ایئرلائنز کے بارہ میں ایک رپورٹ چھپی تھی۔ اس کا عنوان تھا ـــــ جاڑے کے موسم میں پرواز اب بھی خطرناک:

Flying in winter still hazardous

انڈیا میں ۷۰ ہوائی اڈے ایسے ہیں جہاں سردی کے موسم میں گہرے کہر کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ سے پائلٹ رن وے کو دیکھ نہیں پاتا اور جہاز کو اتارنا سخت مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کا حل مشینی لینڈنگ سسٹم ہے۔ ہوائی اڈہ پر لگی ہوئی مشینیں ہوائی جہاز کو صحیح رخ کی رہنمائی دیتی ہیں اور جہاز نہایت صحت کے ساتھ رن وے پر اتر جاتا ہے۔ جاپان وغیرہ ملکوں میں ایسے آلات بنا لئے گئے ہیں جو تقریباً بے خطا (fault-free) انداز میں کام کرتے ہیں۔

رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ سابق وزیراعظم راجیو گاندھی، جو خود بھی ایک پائلٹ تھے اور اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتے تھے، انھوں نے اس اسکیم کو منظوری دے دی تھی کہ مشینی لینڈنگ کا نظام تمام ان ہوائی اڈوں پر لگایا جائے جہاں کہر کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ معاملہ اب بھی وہیں باقی ہے جہاں وہ اس حکومتی منظوری سے پہلے ۱۹۸۵ میں تھا:

Even though former Prime Minsiter Rajiv Gandhi, who himself was a pilot, had sanctiond the scheme for installation of instrument landing system at all the fog-prone airports, the goal remains as elusive today as it was when it first visualised in 1985-85.

وزیراعظم کے باقاعدہ حکم کے باوجود کیوں ہندستانی ہوائی اڈوں پر سابقہ صورت حال باقی ہے۔ رپورٹ کے مطابق، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا معیاری مشینی نظام صرف باہر کے ملکوں (مثلاً جاپان) سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مگر انڈیا کے پاس زرمبادلہ کی شدید کمی ہے۔ اس نے ایک ہندستانی کمپنی (گجرات الکٹرانکس لمیٹڈ) سے یہ مشینی نظام خریدا۔ مگر جب انھیں استعمال کیا گیا تو وہ انتہائی ناقابل اعتماد (highly unreliable) ثابت ہوئے۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حکومت کا حکم حاصل کرنا بجائے خود اس مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ عملی حل کے لئے دوسرے بہت سے عوامل بھی لازمی طور پر ضروری ہیں۔ اگر ان دوسرے عوامل کی مساعدت حاصل نہ ہو تو اعلیٰ سطح کے حکومتی آرڈر کے باوجود مسئلہ غیر حل شدہ حالت میں پڑا رہے گا۔

مشہور انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین (۵ اجنوری) دیکھا۔ اس میں سو سال قبل شائع ہونے والا

اسی اخبار کا اداریہ نقل کیا گیا تھا۔ اس کا عنوان تھا ـــــ ڈیوک آف کلارنس کی موت:

Death of the Duke of Clarence.

ڈیوک آف کلارنس (Albert Victor) ایک برطانی شہزادہ تھا۔ وہ ۱۸۶۴ میں پیدا ہوا۔ وہ مستقبل کا بادشاہ (future king) کہا جاتا تھا۔ اس کی شادی شاہی خاندان کی ایک لڑکی سے طے ہو چکی تھی۔ ۱۰ جنوری ۱۸۹۲ کو یہ خبر آئی کہ شہزادہ کو انفلوئنزا ہو گیا ہے۔ چند دن تک شاہی مریض (royal patient) کا چرچا رہا۔ اور ۱۵ جنوری ۱۸۹۲ کو موصوف کا انتقال ہو گیا۔

ڈیوک آف کلارنس شاہانہ شادی اور برطانی تخت کے عین کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر لوگوں کو خوشن کن فخر (pleasurable pride) کا ایک احساس جھلکتا ہوا نظر آتا تھا۔ مگر مسرت و اقتدار کے دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی موت نے ان کو اس دنیا سے اٹھا لیا۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ دروازۂ عظمت میں داخل ہو رہا ہے۔ مگر موت اس کو یاد دلاتی ہے کہ وہ دروازۂ عجز کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔

آٹھ بجے ہندی اور انگریزی میں اعلان ہوا کہ اب سے کچھ ہی سمے بعد ہمارا دیمان حیدرآباد ایئرپورٹ پر اترے گا:

In a few minute, we shall be landing at Hyderabad.
Please fasten your seat belt.

یہ الفاظ سن کر ایسا محسوس ہوا گویا کہ موت کا فرشتہ اعلان کر رہا ہے کہ کچھ ہی دیر بعد تم آخرت کی دنیا میں اتارے جانے والے ہو۔ ایک لمحہ تاخیر کے بغیر اس کی تیاری شروع کر دو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی ہر آواز آخرت کی آواز ہے۔ مگر غافل انسان ہر آواز کو بس دنیا کی آواز سمجھتا ہے۔ وہ اس سے اپنی آخرت کے لئے سبق نہیں لیتا۔

ایئرپورٹ سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حبیب بھائی کے مکان پر پہنچا۔ حیدرآباد میں میرا قیام انھیں کے مکان پر تھا۔ یہاں لوگ آتے رہے اور ان سے الرسالہ مشن کے بارہ میں اور ملی تعمیر کے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

حیدر آباد کو قطب شاہی نے ۱۵۹۱ میں آباد کیا تھا۔ اپنے وقت کا وہ نہایت خوبصورت شہر شمار کیا جاتا تھا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ وہ منصوبہ بندی اور تعمیر کا ایک حیرت ناک نمونہ تھا:

It was a marvel of planning and an architentural wonder. (9/75)

۱۶۸۵ میں مغل حکمراں اورنگ زیب نے حیدر آباد کو سلطنت دہلی میں شامل کر لیا۔ مگر اس کوشش میں شہر برباد ہو گیا۔ دو سو سال تک شہر ایسا ہی پڑا رہا۔ جب مغل سلطنت کو زوال ہوا اس وقت آصف جاہ نظام الملک مغلوں کی طرف سے یہاں کا گورنر تھا۔ اس نے آزادی کا اعلان کر کے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا۔ اس عمل میں اولاً فرانچ اور اس کے بعد برٹش نے اس کی مدد کی۔ ریاست نظام نے حیدر آباد میں ترقی کے بہت سے کام کئے۔

آزادی (۱۹۴۷) کے بعد رضا کار تحریک نے دوبارہ حیدر آباد کو تباہ کیا۔ نااہل لیڈروں نے حیدر آباد کو صرف بربادی کا تحفہ دیا تھا۔ تاہم حالات کے دباؤ کے تحت کچھ افراد کے اندر حرکت پیدا ہوئی۔ ملی سطح پر اگرچہ یہاں کی قوم لیڈروں کے ناعاقبت اندیشانہ انجام کی شکار ہے۔ تاہم افراد کی سطح پر آپ کو یہاں ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے ذاتی دائرہ میں مختلف میدانوں میں ترقی کر رہے ہیں۔

ریاست کے دور میں حیدر آباد میں صدر الصدور کا عہدہ ہوا کرتا تھا جو تمام امور مذہبی کا نگراں ہوتا تھا۔ آصف جاہ سابع نے جب جامعہ عثمانیہ کے قیام کا ارادہ کیا تو اس وقت مولانا انوار اللہ خاں صدر الصدور تھے۔ انھوں نے یونیورسٹی کو دینی لحاظ سے مضر بتا کر اس کی مخالفت کی اور والیٔ دکن کو اس سے باز رکھا۔ مولانا موصوف کے انتقال کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن شروانی صدر الصدور مقرر ہوئے تو انھوں نے جامعہ عثمانیہ کی پر زور حمایت کی۔ انھیں کے زمانہ میں اس کا قیام ہوا۔ اندرونی اختلافات کی بنا پر ۱۳ اپریل ۱۹۳۰ کو انھوں نے اس عہدہ سے استعفاد دے دیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن نے مولانا عبد الباری ندوی کو جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ کے شعبہ کا استاد مقرر کر دیا۔ اس پر دربار کے لوگوں نے والیٔ دکن کو یہ شکایت پہنچائی کہ شروانی صاحب نے ایک ایسے شخص کو فلسفہ کا پروفیسر مقرر کیا ہے جس کے پاس اس مضمون کی کوئی ڈگری نہیں۔ والیٔ دکن میر عثمان علی خاں نے باز پرس کی تو مولانا شروانی نے مولانا عبد الباری ندوی کے رسالہ "مذہب

وعقلیات" کے ساتھ ایک خط والیٔ دکن کو بھیجا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ میں نے فلسفہ کے شعبہ کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جس کے ہاتھ پر فلسفہ مشرف بہ اسلام ہوا ہے (قومی آواز ۸ مارچ ۱۹۹۲)

یہاں حبیب بھائی کے ذاتی کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھی۔ وہ بزنس مینجمنٹ کے موضوع پر تھی۔ اس نام یہ ہے:

The Art of Japanese Management,
by Anthony G. Athos, and Richard Tanner Pascale.

اس کتاب میں بہت سی کام کی باتیں تھیں۔ اس کتاب کا خلاصہ اس کے اس جملہ میں تھا کہ کوالٹی کبھی اتفاقی طور پر حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ ہوشمندانہ محنت کا نتیجہ ہوتی ہے:

Quality is never an incident. It is always the result of intelligent effort.

حبیب بھائی گوا گئے۔ وہاں ان کی ملاقات ایک مسیحی پادری سے ہوئی۔ اس نے کہا کہ عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ ہر آدمی ایک باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ بھی ایک باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر عیسیٰ مسیح کا کوئی باپ نہیں وہ براہ راست خدا سے پیدا ہوئے۔ ہم اور آپ انسان کے بیٹے ہیں۔ مگر عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

حبیب بھائی نے کہا کہ مسیح کی تو پھر بھی ایک ماں تھی۔ مگر آدم کی تو نہ ماں تھی اور نہ باپ۔ اس لیے آپ کے اصول کے مطابق آدم زیادہ حقیقی طور پر خدا کے بیٹے تھے۔ اس لئے آپ کو ماننا چاہیے کہ آدم خدا کے بیٹے تھے اور بقیہ انسان آدم کے بیٹے، اس لئے آپ کے اصول کے مطابق، میں خدا کا پوتا ہوا:

So Adam was the son of God, and I am a grandson of God.

یہ سن کر پادری چپ ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا جواب دے ــــ حق تمام حقیقتوں کے مطابق ہے اور باطل تمام حقیقتوں کے غیر مطابق۔ یہی حق کی سب سے بڑی طاقت ہے اور یہی باطل کی سب سے بڑی کمزوری۔

ایک گجراتی بچہ بڑا ذہین تھا۔ کچھ بڑے لوگ بیٹھے ہوئے بات کر رہے تھے۔ ہر ایک اپنی

کامیابیوں کو بیان کر رہا تھا۔ بچہ خاموش سنتا رہا۔ اس کے بعد بولا: اصل مشکل تو زیرو سے ایک تک پہنچنا ہے۔ اس کے بعد گیارہ تو اپنے آپ آتا ہے۔

میں نے کہا کہ یہی اصول الرسالہ مشن پر صادق آتا ہے۔ اس مشن کے سلسلہ میں اصل مشکل اس کو زیرو سے ایک تک لانا تھا۔ اب خدا کے فضل سے وہ ایک تک پہنچ چکا۔ اس کے بعد ایک کا گیارہ بننا خود اپنے زور پر ہوتا ہے اور وہ انشاء اللہ ہو کر رہے گا۔

کرنل جے بی سیٹھی بزنس ایگزیکٹیو ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے سماج میں ہزاروں لوگ (مثلاً مارواڑی وغیرہ) ہیں جن کے پاس کوئی بزنس ایجوکیشن نہیں، اس کے باوجود وہ بڑی بڑی ترقیاں حاصل کر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ حبیب بھائی نے جواب دیا کہ اس کا خاص سبب صرف ایک ہے۔ اور وہ ہے کھونے کا اندیشہ (fear of loosing) سہارے والے آدمی کو کھونے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جب کہ بے سہارا آدمی ہر لمحہ کھونے کے اندیشہ میں مبتلا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری قسم کے لوگ ہمیشہ زیادہ ترقی کرتے ہیں۔

ایک مجلس میں حبیب بھائی نے کہا کہ تمام کامیابیوں کی کنجی سنجیدگی (sincerity) ہے۔ مصطفیٰ صدیقی صاحب نے اس کی تکمیل کرتے ہوئے کہا کہ دو چیز ہے جو آدمی کو سنجیدہ بناتی ہے — شوق یا ڈر۔ یہ بات لفظ بلفظ صحیح ہے۔ اسی شخص سے گہرے عمل کا صدور ہوتا ہے جس کے اندر یا تو شوق کی آگ لگی ہوئی ہو یا ڈر کی نفسیات نے اس کو اندر سے ہلا رکھا ہو۔

۱۵ جنوری کو میں حیدر آباد پہنچا تھا۔ یہاں پہلا اجتماع ظہر کی نماز کے بعد عزیز باغ میں ہوا۔ یہ شہر کے قارئین الرسالہ کا اجتماع تھا۔ اس میں خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا کہ تحریکیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو عوامی احساسات کی بنیاد پر یا کوئی برننگ اشو لے کر اٹھے۔ ایسی تحریک کی آواز کو لوگ فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ بہت جلد اس کے گرد بھیڑ لگ جاتی ہے۔ مگر الرسالہ ایک نامانوس پیغام کو لے کر اٹھا ہے۔ اس لئے اس کو قابل فہم بنانے کے لئے پہلے ہمیں لوگوں کا ذہن بنانا ہوگا۔

موجودہ حالات میں اگر الرسالہ کے پیغام پر عوامی بھیڑ جمع نہیں ہو رہی ہے تو اس پر کسی تعجب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے پیغامات کے لیے سماج میں تیار ذہن (prepared mind) موجود ہے۔ جب کہ الرسالہ کے لئے خود ہم کو ذہن تیار کرنا ہے۔ جس دن یہ کمی پوری ہوگی اسی دن

انشاء اللہ الرسالہ کی آواز ہی لوگوں کے لئے واحد قابل توجہ آواز بن جائے گی۔ اور حالات بتاتے ہیں کہ اس دور کا اب آغاز ہو چکا ہے۔

۱۵ جنوری کو تقریباً نصف دن حیدر آباد میں گزارنے کے بعد محبوب نگر کے لئے روانگی ہوئی۔ میں نے اپنی گاڑی کے ڈرائیور سے پوچھا کہ روڈ اکسیڈنٹ سے بچنے کا راز کیا ہے۔ اس نے کہا کہ دوسرا اگر ہٹنے کے لئے تیار نہ ہو تو اپنے آپ کو سامنے سے ہٹا دینا۔ میں نے سوچا کہ کار کا یہ گمنام ڈرائیور زندگی کے مسائل کو جس طرح جانتا ہے، ملت کے مشہور ڈرائیور اس راز کو کیوں نہیں جانتے۔ دل نے جواب دیا کہ گم نام ڈرائیور اپنی فطرت پر ہے، جب کہ مشہور ڈرائیور اپنی استحصال پسند ذہنیت کی بنا پر فطرت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

۱۵ جنوری کی شام کو ہمارا قافلہ محبوب نگر پہنچا۔ یہاں تین دن قیام رہا۔ اس دوران ملاقاتوں کے علاوہ مسلسل خطابات کا سلسلہ جاری رہا۔ بیشتر خطابات کریسنٹ پبلک اسکول میں ہوئے۔ ایک عمومی خطاب مدرسہ سراج العلوم میں ہوا۔ یہ تمام خطابات دعوتی اور تربیتی موضوعات پر تھے۔ حیدر آباد اور محبوب نگر کے علاوہ قریبی مقامات کے لوگ بھی اس تربیتی کیمپ میں شریک تھے۔ خطابات کا خلاصہ اگلے صفحات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

محبوب نگر کے سفر کا خاص مقصد یہاں کے تربیتی کیمپ میں شریک ہونا تھا۔ یہ تربیتی کیمپ مولانا امیر اللہ خاں صاحب، مولانا سید اکبر الدین قاسمی اور جناب احمد بختیار الدین ایم ایس سی کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا۔

یہ تربیتی کیمپ اپنی نوعیت کا منفرد کیمپ تھا۔ موجودہ سفرنامہ میں اس کا تفصیلی نقشہ پیش کرنا مشکل ہے۔ دوسرے پروگراموں کے علاوہ اس موقع پر ایک درجن خطابات ہوئے۔ ان خطابات میں جو باتیں کہی گئیں اور سوالات کے جوابات دئے گئے ان کا خلاصہ اگلے صفحات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

محبوب نگر کے تربیتی اجتماع کے موقع پر الرسالہ اکیڈمی، آندھرا پردیش کی طرف سے ۳۲ صفحات کا ایک پمفلٹ چھاپا گیا تھا جو لوگوں کے درمیان مفت تقسیم کیا گیا۔ اس کا نام تھا ــــ تاریخ دعوت حق: اہمیت، ضرورت اور تقاضے۔ اس پمفلٹ میں الرسالہ کی کچھ تحریریں جمع کی گئی تھیں۔ آغاز میں

جناب احمد بختیار الدین صاحب کی طرف سے ایک "ابتدائیہ" شامل تھا۔ لوگوں نے اس کو کافی پسند کیا۔

مولانا عبد القدیر قاسمی (خطیب مسجد عابدین، ناندیڑ) نے بتایا کہ ناندیڑ میں ہر سال شیوجینتی کا جلوس نکلتا ہے جو ان کی مسجد کے سامنے سے گزرتا ہے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ جلوس گزرنے کے وقت مسلم نوجوان مسجد کے سامنے جمع ہوجاتے۔ جلوس والے ان کو دیکھ کر نعرے لگاتے۔ اس سے جوان مشتعل ہوجاتے اور ٹنشن کی صورت پیدا ہوجاتی۔

۱۹۹۰ میں مولانا عبد القدیر صاحب نے مسلم نوجوانوں کو سمجھایا کہ جس نعرہ پر تم غصہ ہوتے ہو وہ نعرے دراصل اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ تم جلوس کے وقت مسجد کے سامنے سڑک پر جمع ہوجاتے ہو۔ تم کو دیکھ کر جلوس والوں کو جوش آتا ہے اور وہ نعرے کی صورت میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر تم وہاں کھڑے نہ ہو تو ان کے نعرے بھی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔

مولانا عبد القدیر صاحب کئی دن تک مسلم نوجوانوں کو سمجھاتے رہے۔ آخر کار وہ راضی ہوگئے ۱۹۹۰ میں حسب معمول شیوجینتی کا جلوس آیا۔ وہ سڑک سے گزرتا ہوا مسجد کے سامنے پہنچا۔ مگر اس بار وہاں کوئی مسلمان موجود نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلوس والے بھی ٹھنڈے پڑ گئے۔ خلاف معمول اس بار انھوں نے مسجد کے سامنے کوئی نعرہ نہیں لگایا۔ بس سڑک سے گزرتے ہوئے آگے چلے گئے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح یہ ممکن ہے کہ اُن واقعات کو ابتدائی مرحلہ ہی میں ختم کر دیا جائے جو بڑھ کر فرقہ وارانہ فساد تک پہنچ جاتے ہیں اور جان و مال کی تباہی کا سبب بنتے ہیں

محمد عبد القادر صاحب (پیدائش ۱۹۵۵) پولٹری کی تجارت کرتے ہیں۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی ترقی کے مواقع موجود ہیں۔ تعصب ہمیشہ مصنوعی ہوتا ہے۔ آپ ہوشیاری کے ساتھ تعصب کی ہر دیوار کو گرا سکتے ہیں۔

انھوں نے اپنے کئی تجربات بتائے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ۱۹۸۳ میں بنک سے ایک لاکھ روپیہ قرض لے کر پولٹری فارم کھولا۔ ابھی اس کی قسطیں ادا نہیں ہوئی تھیں کہ ۱۹۸۵ میں میں نے دوبارہ بنک کو مزید قرض کی درخواست دی۔ مقامی بنک منیجر سخت متعصب تھا۔ اس نے چاہا کہ مجھے قرض نہ ملے اور میرا کاروبار فیل ہوجائے۔

اس درمیان میں زونل منیجر حیدرآباد سے یہاں آنے والا تھا۔ وہ ان فارموں کا معائنہ کرنا چاہتا تھا جنھوں نے ہمارے یہاں بینک سے قرض لیا ہے۔ ایک ہندو جو پولٹری فارم چلا رہا تھا اس نے بھی مزید قرض کی درخواست دی تھی۔ منیجر نے اس ہندو کو دو ہفتہ پہلے بتا دیا تھا کہ زونل منیجر آنے والے ہیں تم فاؤنڈیشن اسٹون کا انتظام کر لو۔ دوسری طرف عبد القادر صاحب سے کچھ نہیں بتایا۔ ان سے زونل منیجر کی آمد کو چھپایا۔

جب آخری وقت آگیا اور معلوم ہوا کہ وہ کل آنے والے ہیں تو آج شام کو عبد القادر صاحب کو بلا کر کہا کہ کل زونل منیجر آرہے ہیں تم اگر قرض لینا چاہتے تو فاؤنڈیشن اسٹون کا انتظام کر لو۔ اس کے ذہن میں یہ نقشہ تھا کہ اتنے کم وقت میں عبد القادر صاحب انتظام نہ کر سکیں گے اور ان کے قرض کی درخواست بھی رد ہو جائے گی۔ مگر عبد القادر صاحب نے ہمت نہیں ہاری۔ اس دن انھوں نے ساری رات کام کیا اور فاؤنڈیشن اسٹون کا شاندار طور پر انتظام کر لیا۔ اگلے دن زونل منیجر آیا تو ہندو فارم پر معمولی انتظام تھا۔ چنانچہ وہاں وہ صرف پانچ منٹ رکا۔ مگر عبد القادر صاحب کے فارم پر وہ ایک گھنٹہ تک ٹھہرا رہا۔ ان کے کام کی بہت تعریف کی اور فوراً ان کے قرض کی رقم جاری کر دی۔

اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمل کی طاقت سازش کی طاقت سے زیادہ ہے۔ اگر آپ کے پاس عمل کی طاقت ہو تو آپ ہر سازش کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی ممکن ہے کہ سازش خود آپ کی ترقی اور کامیابی کا زینہ بن جائے۔

مفتی سید تمیز الدین قاسمی (ناندیڑ) الرسالہ کے مستقل قاری ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان کو الرسالہ سے سب سے پہلے ایک ہندو افسر نے متعارف کرایا تھا۔ یہ مسٹر اروند پانڈے (اینٹی کرپشن ڈپارٹمنٹ) ہیں۔ وہ انگریزی الرسالہ پڑھتے ہیں۔ انھوں نے کئی مسلمانوں کے پاس الرسالہ کا اردو ایڈیشن حاصل کر کے بھجوایا۔ اور کہلایا کہ یہ ایک اچھا رسالہ ہے، اس کو آپ لوگ پڑھیں۔ انھیں میں سے ایک مفتی سید تمیز الدین قاسمی بھی ہیں۔ ان کو بھی مسٹر اروند کے ذریعہ الرسالہ ملا۔ اور پھر انھوں نے مسلسل اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔

۱۹ جنوری کی شام کو محبوب نگر سے دوبارہ حیدرآباد کے لیے واپسی ہوئی۔ یہاں ۱۹ ـ ۲۰ جنوری کے درمیان کئی پروگرام ہوئے۔ فتح منزل میں ایک تفصیلی خطاب تھا جس میں ایمان واسلام

کی حقیقت واضح کی گئی۔

جہانگیر پلازا کے ہال میں عمومی اجتماع ہوا۔ یہاں خطاب کا موضوع "اسلام اور امن عالم" تھا۔ مدینہ ایجوکیشن سنٹر میں دو پروگرام ہوئے۔ ایک، پریس کانفرنس۔ اور دوسرے، شہر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کا اجتماع جس میں سوال وجواب کی صورت میں گفتگو ہوئی۔ سوال وجواب مجموعی طور پر اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹ جنوری ۱۹۹۲ کو مدرسہ ریاض الاسلام کے سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کی۔ یہاں ایک عمومی جلسہ ہوا جس میں میری بھی ایک مفصل تقریر ہوئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبد القدوس زبیری نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں ایک مدرسہ کے ساتھ تعاون کرتا تھا۔ یہ ۱۹۵۰ کی بات ہے۔ ایک تاجر گیارہ روپے سال مجھے مدرسہ کا چندہ دیا کرتے تھے۔ اگلے سال میں ان کے یہاں چندہ کے لئے گیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم وہابی ہو۔ ہم وہابیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں تم کو چندہ نہیں دوں گا۔

ڈاکٹر عبد القدوس صاحب نے ان سے کہا کہ آپ جیسے بہت سے لوگ مجھے کافر سمجھتے ہیں۔ مگر کسی نے اب تک میرے منھ پر یہ بات نہیں کہی تھی۔ آپ نے میرے منھ پر مجھ سے یہ بات کہہ دی۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثبوت ہے۔ میں آپ کو مومن ومخلص سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبد القدوس صاحب نے مذکورہ تاجر کا ہاتھ پکڑ کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اور کلمہ شہادت ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ گواہ رہیں، آج میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہوں۔

اس واقعہ نے مذکورہ تاجر کو بہت متاثر کیا۔ اس نے اپنے آدمی کو بلا کر کہا کہ گیارہ روپیہ انھیں دے دیدو۔ ڈاکٹر عبد القدوس صاحب نے کہا کہ میں اس کو کبھی قبول نہیں کروں گا۔ آپ نے "کفر" کی حالت میں مجھ کو گیارہ روپے سال دیا۔ اب "ایمان" کی حالت میں بھی کیا آپ مجھ کو وہی گیارہ روپے دیں گے۔ انھوں نے کہا پھر اور کتنا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایک سو گیارہ روپیہ سال۔ انھوں نے فوراً ایک سو گیارہ روپے نکال کر پیش کر دئے۔

جامعہ ریاض الاسلام کی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ یہ ادارہ تقریباً دس سال سے حیدر آباد شہر میں دینی تعلیمی اور اسلامی تربیت کی خدمات اپنے محدود وسائل کے مطابق انجام دے رہا ہے۔ جہاں حفظ، ناظرہ، قاعدہ تجوید کے علاوہ دینیات، حساب، اردو، انگلش اور تلگو کی تعلیم کا نظم ہے۔ شہر کے علاوہ

دیہات وقصبات کے طلبا قیام وطعام کی سہولت کے ساتھ تعلیم وتربیت حاصل کر رہے ہیں، غریب، یتیم طلباء کی کفالت مدرسہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔ اس وقت مدرسہ اوپل کی قدیم بستی کے ایک سفال پوش کرایہ کے مکان میں چل رہا ہے جو مدرسہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے اعتبار سے ناکافی ہے۔ عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ایک کشادہ آراضی پر مدرسہ کی تعمیر کی جائے جس پر، درس گاہیں، ہاسٹل، دفاتر، مطبخ کے علاوہ کھیل کود کے لئے میدان ہو، چنانچہ اس منصوبے کے تحت ۲ ہزار گز آراضی اوپل بس ڈپو سے کچھ فاصلے پر میٹرپلی حدود میں خرید کر مدرسہ کے نام رجسٹری کرائی گئی ہے اور ایک مخیر خاتون نے اپنے مرحوم شوہر کے ایصال ثواب کی خاطر زمین پر بوردیل کا نظم کر دیا ہے، جس پر جٹ پمپ اور کمرے کی تعمیر بھی ہو چکی ہے۔ اور ایک تجربہ کار آرکیٹکٹ کے ذریعہ نقشہ تیار کرایا گیا اور تعمیر کا آغاز بھی کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے تقریباً ۲۰ لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی۔

۴۷ ۱۹ کے انقلاب کے بعد سابق ریاست حیدرآباد میں جو تباہی آئی تھی وہ ایک عرصہ تک لوگوں کے لئے فریاد و ماتم کا موضوع بنی رہی۔ اس کے بعد یہاں کے مسلمانوں میں بیداری آئی۔ انھوں نے مختلف اقتصادی شعبوں میں اپنی محنت سے داخل ہونا شروع کیا۔ دینی تعلیم اور سیکولر تعلیم کے ادارے قائم کئے جانے لگے۔ یہاں تک کہ اب حیدرآباد میں اتنی کثرت سے تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں کہ حیدرآباد کو مسلمانوں کا تعلیمی ایمپائر کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ میرا اندازہ ہے کہ حیدرآباد کے مسلمان آج اس سے بھی زیادہ بہتر حالت میں ہیں جیسا کہ وہ ۱۹۴۷ سے پہلے تھے۔ ریاست پر بھروسہ سے انھوں نے جتنا پایا تھا۔ اس سے زیادہ انھوں نے اپنے آپ پر بھروسہ سے پالیا۔

۱۹ جنوری ۱۹۹۲ کو میں جامعہ ریاض الاسلام کی نئی عمارت کی سنگ بنیاد کی تقریب میں شریک تھا۔ تھوڑے فاصلہ پر ایک بلند اور شاندار عمارت نظر آئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک مسیحی ادارہ ہے۔ جو مسیحی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

اس کے بعد میں نے جلسہ میں جامعہ ریاض الاسلام کے ذمہ داروں کی تقریریں سنیں۔ ان تقریروں میں سامنے دکھائی دینے والے بلند مسیحی ادارہ کے خلاف کوئی احتجاج نہ تھا۔ تقریروں کا سارا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہاں ایک عظیم اسلامی ادارہ بنا کر کھڑا کر دیں جو دور تک اسلام کی روشنی پھیلانے کا ذریعہ بن جائے۔ میں نے کہا کہ یہی مطلب ہے اس قدیم مثل کا کہ کسی کی لکیر کو چھوٹا ثابت کرنے کی سب سے زیادہ آسان صورت یہ

ہے کہ تم اپنی لکیر کو بڑا کر دو۔ اس کے بعد دوسرے کی لکیر اپنے آپ چھوٹی ہو جائے گی۔

ڈاکٹر عزیز احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے خاندان کے تمام لوگ اچھے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور اس کا کریڈٹ خود عزیز احمد خاں صاحب کو حاصل ہے۔

انھوں نے کہا کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں عام طور پر لوگ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کو کسی اچھے اسکول میں داخل کر دو اور مزید ضرورت ہو تو ان کے لیے ٹیوٹر مقرر کر دو۔ مگر بچوں کی صحیح تعلیم کے لیے ماں باپ کو ان کے ساتھ محنت کرنا بہت ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں عزیز احمد خاں صاحب نے کامیاب تجربہ کیا ہے۔ وہ پانچ سال کی عمر سے بچوں پر محنت شروع کر دیتے ہیں۔ ان کو گھر میں آسان انداز میں ضروری باتیں بتاتے ہیں۔ کہانیوں کے ذریعہ ان کے اندر اخلاقی احساس ابھارتے ہیں، وہ ماحول کی چیزوں کو بتا کر مختلف فنون سے انھیں آشنا کرتے ہیں۔ مثلاً سورج، چاند اور ستارے کے ذریعہ فلکیات، موٹر کی پلیٹ نمبروں کے ذریعہ ریاضی، عمارتوں کے ذریعہ انجینیرنگ، اشتہاری بورڈوں کے ذریعہ تجارت، ندی پہاڑ، جنگل کے ذریعہ جغرافیہ، کہانیوں کے ذریعہ تاریخ، وغیرہ۔ اس طرح وہ بچوں کو ہر روز کئی کئی گھنٹے پڑھاتے ہیں۔ اور تیار کر کے ان کو میٹرک کے امتحان میں بٹھا دیتے ہیں۔ اس کے بعد حسب استعداد آگے کی تعلیم میں بڑھاتے ہیں۔ ان کے گھر کے اکثر بچوں نے امتیاز کے ساتھ امتحانات میں کامیابی حاصل کی ہے۔

انھوں نے کہا کہ لڑکیوں کی تعلیم بھی بے حد ضروری ہے۔ کیوں کہ یہی لڑکیاں مائیں بن کر بچوں کی پہلی معلم بنتی ہیں، اَن پڑھ ماں کے بچہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔ بچہ اپنی ابتدائی عمر میں ماں کے قریب پرورش پاتا ہے۔ اور ماں جب علم کے چراغ سے محروم ہو تو اس کے بچوں کو کس طرح علم کی روشنی ملے گی۔

وہ اکثر اپنے بچوں کو باہر لے جاتے ہیں۔ کہیں نظر آیا کہ مزدور لوگ دھوپ اور مٹی میں مشقت کے ساتھ کام کر رہے ہیں تو بچوں سے کہا کہ دیکھو، انھوں نے پڑھا نہیں، اس لیے اب وہ مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ کسی کو لڑتے ہوئے دیکھا تو بتایا کہ دیکھو، اس نے علم حاصل نہیں کیا۔ اس لیے اس کو زندگی کا طریقہ نہیں معلوم۔ اب وہ غیر ضروری طور پر لوگوں سے لڑ رہا ہے۔ بچہ کا گھر اس کی پہلی تعلیم گاہ ہے۔ گھر اگر تعلیم گاہ نہ بنے تو صرف باہر کا ادارہ اس کی تعلیم کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔

خبرنامہ اسلامی مرکز ۸۶

۱ اجتماع کے پروگرام کے تحت صدر اسلامی مرکز نے بھوپال کا سفر کیا۔ ۲۲ اکتوبر سے ۲۸ اکتوبر تک کے درمیان وہاں متعدد خطابات ہوئے اور سوال وجواب کی شکل میں لوگوں سے گفتگوئیں ہوئیں۔ اس کی روداد "اجتماع نومبر" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بھوپال کے اجتماع کی مکمل روداد انشاء اللہ اجتماع نمبر کی صورت میں آئندہ الرسالہ میں شائع کی جائے گی۔

۲ الرسالہ کو اللہ کے فضل سے یہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ جو شخص بھی اس کا ایک دو شمارہ پڑھتا ہے وہ اس کا مستقل قاری بن جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم کو روزانہ خطوط ملتے رہتے ہیں۔ ایک مفصل خط کی دو سطریں یہ ہیں :

I have gone through a few issues of Al-Risala and wish to subscribe. Please send me the details of your yearly subscription. (Avinash Bodhankar, Director, Copewatch Foundation, Pune).

۳ گول مارکٹ (نئی دہلی) میں تعلیم یافتہ اصحاب کے ایک اجتماع میں درس دیا گیا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتایا گیا کہ اسلام میں مایوسی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اہل اسلام کے لئے ہر حالت امید کی حالت ہے۔

۴ ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۲ کو اسلامک اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن کے ایک اجتماع میں تقریر کی گئی۔ تقریر کا موضوع تھا : اسلامی دعوت کے جدید امکانات۔ تقریر کے آخر میں سوال وجواب ہوا۔ یہ پروگرام تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک رہا۔ اس تقریر کا آڈیو ٹیپ اسلامی مرکز میں موجود ہے۔

۵ یکم نومبر ۱۹۹۲ کو نیو فرینڈز کالونی (نئی دہلی) میں ایک اجتماع ہوا جس میں حدیث کا درس دیا گیا۔ ان حدیثوں کا تعلق زیادہ تر اخلاقیات اور حقوق العباد سے تھا۔ درس کے بعد سوال وجواب کا پروگرام ہوا۔ اس درس کا آڈیو ٹیپ مرکز میں موجود ہے۔

۶ نرنکاری مشن کے انگریزی ماہنامہ سنت نرنکاری (نومبر ۱۹۹۲) نے انگریزی الرسالہ کا ایک مضمون (The Precipice) نقل کیا ہے۔ اس مضمون میں حیات دنیا کے مقابلہ میں حیات آخرت کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ اکثر جرائد الرسالہ کے مضامین چھاپتے رہتے ہیں اور

اس طرح اس کا پیغام وسیع تر حلقہ میں پہنچ رہا ہے۔

۷ آکاشوانی ناگپور نے صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر ۲۵ نومبر ۱۹۹۲ کو نشر کی۔ اس تقریر کا عنوان تھا: ترقی کا راز۔ دس منٹ کی اس تقریر میں بتایا گیا تھا کہ اس دنیا میں کوئی فرد یا قوم اسی وقت ترقی کر سکتا ہے جب کہ وہ اعراض کے اصول پر عمل کرے۔ اس کے بغیر اس کا سفر تباہی کے گڑھے کے سوا کہیں اور نہیں پہنچ سکتا۔

۸ الرسالہ فورم کی شکل میں ایک ملی فورم کی تشکیل ہو چکی ہے۔ فورم کی طرف سے یہ اپیل جاری کی گئی ہے کہ ہر جگہ کے تعمیر پسند مسلمان "الرسالہ فورم" کی صورت میں اپنا مقامی حلقہ بنائیں اور مثبت تعمیری انداز میں ملی مسائل کے حل کی تدبیر اختیار کریں۔ اس سلسلہ میں ضروری ہدایات اور مشورہ مرکز سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۹ ترنم روحی صاحبہ آسنسول سے لکھتی ہیں: ماہنامہ الرسالہ پابندی سے مطالعہ کر رہی ہوں۔ میری ایک غیر مسلم سہیلی دارجلنگ میں رہتی ہیں۔ ان کی زبان بنگلہ ہے۔ میں ہر مہینہ الرسالہ کے کچھ مضامین بنگلہ میں ترجمہ کر کے ان کے پاس بھیجتی ہوں۔ اس سے وہ کافی متاثر ہیں۔ ہر ماہ وہ بنگلہ شدہ مضامین کا شدت سے انتظار کرتی ہیں۔ اس سے الرسالہ کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۰ صدر اسلامی مرکز نے اردو سماچار کی دعوت پر ناگپور کا سفر کیا۔ چند روزہ قیام میں وہاں مختلف اجتماعات میں خطاب کیا اور لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ اس کی روداد ان شاء اللہ سفرنامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔

۱۱ ۳ دسمبر اور ۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ کو آل انڈیا ریڈیو سے دو تقریریں نشر کی گئیں۔ ایک تقریر کا عنوان تھا: حوصلہ مندی۔ اور دوسری تقریر کا عنوان تھا: حقیقت پسندی۔ دونوں تقریروں میں زندگی کی تعمیر سے متعلق سبق آموز باتیں پیش کی گئیں۔ یہ تقریریں آئندہ الرسالہ میں شائع کر دی جائیں گی۔

۱۲ لاہور سے مولانا صدیق شاہ بخاری ایک خط میں لکھتے ہیں: عرصہ سے آپ کی تحریروں کا قاری ہوں۔ اور اس کو پڑھ کر اللہ کی حمد و شکر کرتا ہوں۔ ہم چند دوست یہاں جامعہ الحرم کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ تشکیل دے رہے ہیں۔ اس کا بنیادی آئیڈیا آپ کی تحریروں سے

ہی ماخوذ ہے۔ ایسے اداروں کے قیام کی خبریں مختلف مقامات سے موصول ہو رہی ہیں۔

۱۳ الرسالہ کے ایک قاری نے اطلاع دی ہے کہ وہ "اسلامک انفارمیشن سروس" کے نام سے ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ وہ اپنے ٹیلیفون نمبر کے ساتھ اخباروں میں اس مضمون کا اشتہار شائع کر رہے ہیں کہ جو لوگ اسلام پر معلومات یا لٹریچر چاہتے ہوں وہ ٹیلیفون پر مطلع کریں۔ ان کو مطلوبہ چیز فراہم کر دی جائے گی۔ یہ سلسلہ ہر شہر میں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۴ الرسالہ انگریزی کے شمارہ جولائی ۱۹۹۲ میں "سوشل جسٹس ان اسلام" کے نام سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ جناب ایم ٹی خان صاحب نے پٹنہ سے اطلاع دی ہے کہ انھوں نے اس مقالہ کی کاپیاں تیار کرائیں اور ان کو عدالت کے لوگوں میں اور قانون داں حلقہ میں تقسیم کیا۔ اسی طرح مختلف مقامات پر لوگ اردو، انگریزی، ہندی کے مضامین فوٹو کاپی کر کے تقسیم کرتے ہیں۔

۱۵ بمبئی سے جناب فاروق فیصل صاحب نے خبر دی ہے کہ محترمہ بیگم ڈاکٹر نائک کی رہنمائی میں وہاں حلقہ خواتین قائم کیا گیا ہے اور الرسالہ فورم کے مقاصد کے تحت خواتین میں کام کا نقشہ بنایا گیا ہے۔ اس طرح کی خبریں دوسرے مقامات سے بھی مل رہی ہیں۔

۱۶ محمد ابوطالب رحمانی صاحب (بنگلور) لکھتے ہیں کہ میں الرسالہ کے مشن کو اس طرح پھیلا رہا ہوں کہ اپنے بعض دوستوں کو اس کا ممبر بنایا ہے۔ اسی طرح میں اپنے تمام دوستوں کو الرسالہ کا قاری یا اس کا مستقل ممبر بنانا چاہتا ہوں۔ یہ ایک فطری اور صحیح طریقہ ہے۔ اسی طرح الرسالہ سے اتفاق رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنے اپنے حلقۂ احباب میں الرسالہ کی اشاعت کرنا چاہئے۔

۱۷ "پیغمبر انقلاب" زیر مطالعہ ہے۔ میری ناقص نظر اور مطالعہ میں دعوتی نقطۂ نظر سے سیرت پر یہ پہلی کتاب ہے۔ عربی کا وسیع ذخیرہ واقعات کا مجموعہ ہے تو اردو انگریزی وغیرہ میں لکھی گئی کتابیں خود مؤلف کے کسی خاص نقطۂ نظر کی حامل۔ لیکن رسولِ انقلاب کی سیرت، انقلابی دعوت کو اجاگر کرنے کے لئے شاید اللہ رب العزت نے صرف آپ کو توفیق دی۔ اللہ آپ کو اس کا بہتر سے بہتر بدلہ ضرور نصیب فرمائے گا (ظفر ندوی، پربھنی)

۱۸ "علماء اور دور جدید" اب انشاء اللہ مئی ۱۹۹۲ میں شائع ہوگا۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرِ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	Rs 60	ایک سال	$20 / £10	$10 / £5
دو سال	Rs 110	دو سال	$35 / £18	$18 / £8
تین سال	Rs 150	تین سال	$50 / £25	$25 / £12
پانچ سال	Rs 240	پانچ سال	$80 / £40	$40 / £18
خصوصی تعاون (سالانہ)	Rs 300	خصوصی تعاون (سالانہ)	$100 / £50	

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا۔

الرسالہ فورم

۲۲-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۲ کو بھوپال میں علماء اور دانشوروں کا کل ہند اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں اتفاق رائے سے طے کیا گیا کہ الرسالہ مشن کے تحت ایک الرسالہ فورم قائم کیا جائے۔ اس کا مرکز دہلی میں ہو اور اس کی شاخیں ملک کے ہر شہر اور قصبہ میں قائم کی جائیں۔ الرسالہ فورم ایک غیر سیاسی فورم ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تعمیری مزاج اور صحت مند سوچ رکھنے والوں کا حلقہ بنایا جائے۔ وہ ہر مسئلہ میں مثبت اقدامات کر کے یہ کوشش کریں کہ اجتماعی معاملات میں ٹکراؤ نہ ہو اور پر امن دائرہ میں مسئلہ کو حل کیا جا سکے۔

اس نمائندہ اجتماع نے تمام تعمیر پسند افراد سے اپیل کی ہے کہ وہ ہر مقام پر فورم بنائے اور مرکز دہلی سے اس کا الحاق کر کے اپنے اپنے یہاں یہ کام عملی طور پر شروع کر دیں۔ الرسالہ فورم حسب ذیل دائروں میں کام کرے گا۔

۱۔ دین حق کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ذریعہ موثر اسلوب میں عام لوگوں تک پہنچانا۔

۲۔ لوگوں میں اخلاقی بیداری لانا اور انسانیت دوستی کا مزاج پیدا کرنا۔

۳۔ لوگوں کو صد فی صد تعلیم یافتہ بنانے کی کوشش کرنا۔

۴۔ معاشی حالت کو درست کرنے کی تدبیر اختیار کرنا۔

۵۔ لوگوں میں یہ مزاج پیدا کرنا کہ وہ اختلاف کے باوجود متحد ہو کر رہ سکیں۔

۶۔ باہمی جھگڑوں کو سمجھا بجھا کر ختم کرنا۔

۷۔ اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی تربیت کرنا۔

۸۔ فضول خرچی کو روکنا اور سادہ زندگی کو رواج دینا۔

۹۔ احتجاجی سیاست کے بجائے تعمیری سیاست کو فروغ دینا۔

۱۰۔ ہندو مسلم تعلقات کو بڑھانا اور باہمی اشتراک کی صورتیں اختیار کرنا۔

۱۱۔ فرقہ وارانہ مسائل میں جذباتی قیادت کی جگہ حقیقت پسندانہ قیادت وجود میں لانا۔ اور پریس اور پلیٹ فارم کی سطح پر مسلمانوں کی نمائندگی کو نیا تعمیری رخ دینا۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اردو

کتاب	قیمت
تذکیر القرآن جلد اول	200/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-
اللہ اکبر	45/-
پیغمبر انقلاب	40/-
مذہب اور جدید چیلنج	45/-
عظمت قرآن	30/-
عظمت اسلام	6/-
عظمت صحابہ	6/-
دین کامل	50/-
الاسلام	40/-
ظہور اسلام	40/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاء اسلام	20/-
راز حیات	60/-
صراط مستقیم	40/-
خاتون اسلام	45/-
سوشلزم اور اسلام	40/-
اسلام اور عصر حاضر	30/-
الربانیہ	40/-
کاروان ملت	45/-
حقیقت حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دور جدید کا خالق	25/-
حدیث رسولؐ	35/-
ڈائری جلد اول	95/-
ڈائری جلد دوم	
سفرنامہ (ملکی اسفار)	
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	95/-
میوات کا سفر	35/-
قیادت نامہ	20/-
راہ عمل	25/-
تعبیر کی غلطی	50/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-
اقوال حکمت	20/-
انوار حکمت	20/-
تعمیر کی طرف	8/-
تبلیغی تحریک	20/-
تجدید دین	20/-
عقلیات اسلام	30/-
مذہب اور سائنس	20/-
قرآن کا مطلوب انسان	8/-
دین کیا ہے	5/-
اسلام دین فطرت	6/-
تعمیر ملت	6/-
تاریخ کا سبق	6/-
فسادات کا مسئلہ	5/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	5/-
تعارف اسلام	5/-
اسلام پندرہویں صدی میں	5/-
راہیں بند نہیں	6/-
ایمانی طاقت	6/-
اتحاد ملت	6/-
سبق آموز واقعات	6/-
زلزلۂ قیامت	8/-
حقیقت کی تلاش	6/-
پیغمبر اسلام	5/-
آخری سفر	6/-
اسلامی دعوت	6/-
خدا اور انسان	6/-
حل یہاں ہے	10/-
سچا راستہ	5/-
دینی تعلیم	6/-
حیات طیبہ	6/-
باغ جنت	6/-
نار جہنم	6/-
خلیج ڈائری	10/-
رہنمائے حیات	6/-
شخصیات اسلام	–
تعدد ازواج	3/-
روشن مستقبل	6/-
صوم رمضان	6/-
علم کلام	6/-
صداقت اسلام	–
علماء اور دور جدید	–
ہندستانی مسلمان	6/-
سیرت رسولؐ	
اسلام ایک عظیم جدوجہد	3/-
ہندستان آزادی کے بعد	1/-
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	7/-
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	4/-
اسلام کا تعارف	2/-

ہندی

کتاب	قیمت
سچائی کی تلاش	6/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	3/-
پیغمبر اسلام	3/-
منزل کی اور	3/-

عربی

کتاب	قیمت
الاسلام يتحدى	85/-
الاسلام والعصر الحديث	55/-

آڈیو کیسٹ

نمبر	عنوان	قیمت
A-1	حقیقت ایمان	25/-
A-2	حقیقت نماز	25/-
A-3	حقیقت روزہ	25/-
A-4	حقیقت زکوٰۃ	25/-
A-5	حقیقت حج	25/-
A-6	سنت رسولؐ	25/-
A-7	میدان عمل	25/-
A-8	پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
A-9	اسلامی دعوت کے جدید امکانات	25/-
A-10	اسلامی اخلاق	25/-
A-11	اتحاد ملت	25/-
A-12	تعمیر ملت	25/-
A-13	نصیحت لقمان	25/-

تذکیر القرآن کیسٹ (تلاوت، ترجمہ، تفسیر)

نمبر	عنوان	قیمت
A-14	متفرق سورتیں ۱	
A-15	متفرق سورتیں ۲	0/-
A-16	متفرق سورتیں ۳	0/-

ویڈیو کیسٹ

نمبر	عنوان	قیمت
V-1	پیغمبر انقلاب	00/-
V-2	اسلام دائمی امن	00/-
V-3	اسلام دور جدید کا خالق	00/-
V-4	امت مسلمہ اور جدید چیلنج	00/-
V-5	اسلام اور سماجی انصاف	00
V-6	اسلام اور دور حاضر	00/-

English

Title	Price
God Arises	75/-
Muhammad The Prophet of Revolution	75/-
Islam As It Is	40/-
God Oriented Life	60/-
Words of the Prophet	7
Introducing Islam	–
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
Islam the Voice of Human Nature	–
Islam the Creator of Modern Age	–
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Man Know Thyself!	4/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Social Justice in Islam	–
Words of Wisdom	–

فائل الرسالہ اردو (مجلد)

سال	قیمت
1982	80/-
1985	80/-
1986	80/-
1987	80/-
1988	80/-
1989	80/-
1990	80/-
1991	80/-

فائل الرسالہ انگریزی (مجلد)

1984 تا 1991 — 80/- فی جلد

فائل الرسالہ ہندی (مجلد)

1990-91 — 85/-